دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد الحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور (مغربی پاکستان)

لسہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
نقشِ آغاز	مولانا سمیع الحق	۲
ہماری دعائیں کیسے قبول ہوں۔؟	شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی	۵
انسان کا مقصدِ حیات	مولانا عبدالغفور صاحب عباسی مدظلہٗ	۱۰
حج بیت اللہ پر ایک نفسیاتی، عمرانی اور سیاسی نظر	حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہٗ	۱۴
ماڈرن اسلام (دوسری قسط)	مولانا محمد یوسف صاحب۔ ماموں کانجن	۲۵
اہلِ حق کی آواز	مولانا محمد اویس ندوی نگرامی	۳۳
احساسِ گناہ کا فقدان	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ	۳۵
احکام عید و صدقۃ الفطر	دارالافتاء	۴۰
چند ہفتے دیارِ عرب میں	مولانا عبداللہ کاکاخیل	۴۳
واقعہ آدم و ابلیس کی انوکھی تفسیر	جناب ابونصر صاحب	۴۹
معاشرۂ امروزہ	مولانا قاضی عبدالصمد صاحب سربازی	۵۴
ارمغانِ سلیمان پر ایک نظر	مولانا محمد اشرف صاحب ایم۔ اے	۵۶
تبصرۂ کتب	ادارہ	۶۲

جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۴ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ جنوری ۱۹۶۷ء

زرِ سالانہ چھ روپے فی پرچہ ۵۰ پیسے غیر ممالک سالانہ ۱۲ شلنگ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر
دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمت خداوندی کا موسم بہار "شہر رمضان المبارک" ملت محمدیہ کے سروں پر سایہ فگن ہے اس وقت ہم اس کے وداعی دور (عشرۂ اخیرہ) سے گذر رہے ہیں۔ جسے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہنم سے نجات "عتق من النار" کا مرحلہ قرار دیا۔ نامناسب نہ ہوگا اگر رمضان کے روح پرور اور سبق آموز پہلوؤں پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال دی جائے۔ رمضان کیا ہے؟ انوار و برکات الٰہی کے فیضان کا مہینہ ــــ تجلیات ربانی کا مظہر ــــ رحمہائے واسعہ کا ظہور اور نعمتہائے متوالیہ کا ابر نیسان ــــ رمضان، رحیم و کریم کی رحمتوں کا وہ نکتۂ عروج ہے جو اپنے جلو میں بے چین و مضطرب انسانیت کیلئے قرآن کریم جیسا نسخہ شفاء اور اکسیر ہدایت لایا۔ اور اس طرح ماہ رمضان ہی وہ مقدس زمانہ ٹھہرا جس میں رب العالمین نے اسلام جیسی بیش بہا نعمت سے اپنی نعمتوں اور نوامیس کی تکمیل فرمائی ــــ رمضان مومنین کے پژمردہ دلوں کیلئے حیات نو کا پیغام اور عباد مقربین کیلئے جلاء و نکھار کا مہینہ ہے جس میں ذکر و فکر اور بندگی و طاعت کی محفلوں میں تازگی اور فسق و فجور کے ظلمتکدوں میں ویرانی آجاتی ہے ــــ ایمان و تقویٰ کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، اور ظلم و معصیت کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں ــــ ماہ صیام ابلیس کی بندش و رسوائی اور پراگندہ حال شکستہ خاطر مومنین کی سرفرازی اور سرخروئی کا مہینہ ہے ــــ رمضان حدیث یارؐ کے ورد و تکرار اور رات کی تنہائیوں میں محبوب و مطلوبؐ سے مناجات اور سرگوشیوں کا عہد وصال ہے ــــ رمضان جس کی آخر شب میں رب کریم اپنی آغوش رحمت پوری کائنات ــــ پوری انسانیت ــــ اپنے رب سے ٹوٹی ہوئی انسانیت کیلئے وا کر دیتا ہے ــــ اور اپنے مالک حقیقی سے برگشتہ بندوں کو جود و بخشش کی صلائے عام ہوتی ہے ــــ الا من مستغفر فاغفر لہٗ الا من مسترزق فارزقہٗ الا مبتلیٰ فاعافیہ الا کذا الا کذا۔ (الحدیث) ہے کوئی بخشش کا طلبگار کہ میں اسے بخش دوں ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس پر خزانۂ غیب سے رزق کے دروازے کھول دوں۔ کوئی مصیبت زدہ ہے، جسے میں نعمت عافیت ــــ سے

نواز دوں ـــــ

پھر اس کے افطار کا وقت ـــــ سبحان اللہ ـــــ وہ تو جمال محبوب کے دید و مشاہدہ اور اس کے قرب و تدلّی کا وہ مقام معراج ہے کہ فراق و ہجر کے ستّر ہزار حجاب بیچ سے ہٹ جاتے ہیں ۔ گوناگوں مسرّتوں اور لقاء رب کے لمحات ـــــ للصائم فرحتان فرحۃ عند فطرہٖ وفرحۃ عند لقاء ربہ ۔ (الحدیث) روزہ دار کیلئے دو خوشیاں ہیں ایک وقتِ افطار کی خوشی اور ایک اپنے ربّ کی زیارت اور وصال کی مسرّت ۔

غرض رمضان کی ہر رات شب وصال اور ہر دن یوم مشاہدۂ جمال ہے ـــــ ع

ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

پھر اس میں ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی بھی آجاتی ہے، جو عظمت و مرتبت کے لحاظ سے ہزار مہینوں کے برابر ہے جس میں یکبارگی قرآن نازل ہوا جو الروح الامین اور ملائکہ رحمت و سلام کے نزول کی رات ہے جس میں ساری کائنات "ذوالجلال والکبریاء" معبود کی عظمتوں کے سامنے جھک کر اسکی تسبیح و تحمید میں ڈوب جاتی ہے، مگر ایک عاشق زار کیف وصال اور لذتہائے جمال میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ وہ اس ہزار ماہ والی رات کو ایک رات بلکہ ایک لمحہ سمجھنے لگتا ہے ۔ کان لم یلبثوا الاساعۃً من نہار ۔ اور صبح صادق کے وقت پکار اٹھتا ہے کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد　　روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اور ما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک ۔ کا نغمۂ عجز و قصور اس کی زبان پر ہوتا ہے ـــــ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربھم من کل امر سلام ھی حتی مطلع الفجر ـــــ

پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ آتشِ قرب اور سوزِ دروں سے بے تاب ہو کر رضائے مولیٰ کا طلبگار بندہ گھر بار خویش واقارب سب کچھ چھوڑ کر اسی کے در پہ ڈیرہ جما دیتا ہے اور جب تک رضا و وصال کا ہلالِ عید چمک نہ جائے یہ بھی آستانۂ یار کی چوکھٹ نہیں چھوڑتا ـــــ سوز و ساز ، امید و بیم ، درد و تڑپ ، اضطرار والتجاء ، اور تقلیل طعام کے بعد قطع کلام و منام اور ترکِ تعلقات کے اس چلّہ کو ہم اعتکاف سے یاد کرتے ہیں ـــــ پھر وہ رمضان ہی کے ساعات کیمیا اثر ہیں جن کی تاثیر سے ہماری حقیر سی نیکی، عمل قلیل اور بضاعۃ مزجاۃ ، اخلاص و احتساب کی آمیزش سے جبلِ احد جتنا مقام پالیتی ہے ۔ ہمارے نوافل فرض اور فرض ستر فرائض کے برابر ہو جاتے ہیں ۔ پھر یہ اجر و ثواب خود بارگاہ ایزدی سے براہ راست ملتا ہے ۔ الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ

کہ اس کی یہ بھوک و پیاس، یہ پژمردگی، یہ ربودگی صرف اسی کیلئے تو ہے۔ اور اسی ہی کے علم میں ہے کسی غیر کی رضامندی، ریا اور شہرت کا اس میں شائبہ بھی نہیں ــــــ پھر اس شہر مسعود کے یہ برکات و انوار وقتی نہیں بلکہ ایک مسلمان کی ساری زندگی اسکی بدولت ایمان و احسان کے سانچہ میں ڈھل سکتی ہے بشرطیکہ رمضان کے فضائل و برکات اور ایمان آفرین نتائج نگاہوں کے سامنے رہیں اور صوم کی یہ عبادت ہر قسم کے منکرات و فواحش قول زور بے ہودہ مجالس، غیبت اور گالی گلوچ ریا و عجب غرض تمام برے افعال کی آلائش سے پاک رہے کہ جب حلال سے پرہیز ہے تو حرام کی گنجائش کہاں ــ؟ اور اگر یہ عمل ایمان و احسان سے خالی اور ذنوب و آثام سے محفوظ نہیں ــــــ تو یہ تو نری بھوک و پیاس ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ (البخاری) اور کتنے صائم النہار وقائم اللیل ہیں کہ جن کے پلے بجز پیاس اور مفت کی جگائی کے اور کچھ نہیں پڑتا۔ (الدارمی) روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ تمام بیہودہ اور بے حیائی کی باتوں سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔ (الحدیث) روزہ تو گناہوں اور جہنم کی آگ سے بچانے والی ایک ڈھال ہے، جبتک روزہ دار اسکو جھوٹ اور غیبت سے چھید نہ ڈالے۔ (نسائی وغیرہ) یہ مہینہ سراپا وعظ و نصیحت ہے اور اسکا ہر پہلو صدہا نصیحتوں سے لبریز ہے۔ یہ مہینہ صبر کی تلقین کرتا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہم نے لذائذ و شہوات کو ترک کر دیا۔ اسطرح مومن کی ساری زندگی منکرات و فواحش اور منہیات سے صبر و گریز کی آئینہ دار ہوگی۔ ــ یہ مہینہ ہمیں جہاد سکھلاتا ہے کہ نفس تو عدو اکبر اور اسکا مقابلہ جہاد اکبر ہے۔ اور جب مسلمانوں نے روزہ سے نفس پر فتح پانے کا ملکہ حاصل کر لیا تو عدو اصغر کافر و مشرک کی شکست تو آسان بات ہے ــــ یہ مہینہ ہمیں بھوک و پیاس کا احساس دلا کر باہمی ہمدردی، ایثار و انفاق اور غریب پروری کا سبق دیتا ہے۔ اس لحاظ سے حضورؐ نے اسے شہر مواساۃ کہا یعنی غمخوارگی کا مہینہ ــــ "جو خدا کے کسی بندہ پر آسائش لائے، اسے کھانا کھلائے یا صرف دودھ کی لسی یا کھجور کے دانہ اور پانی کے گھونٹ سے افطار ہی کرا دے تو اسکی آگ کی مستحق گردن جہنم سے نجات پائیگی۔ اور اسے جنت کا پروانہ مل جائیگا۔ جس روزہ دار نے کسی بندۂ خدا نوکر یا غریب کا بوجھ ہلکا کیا۔ اللہ تعالیٰ اسکی گردن سے گناہوں کا بوجھ اتار دے گا۔" (الحدیث عن سلمان الفارسیؓ) ــــ غرض یہ شہر رمضان کیا ہے۔؟ سراپا نور و رحمت، سراسر خیر و برکت، تہذیب نفس، تنقیح اخلاق، اصلاح اعمال، مجاہدہ و ریاضت کا مہینہ اور ملکوتی صفات کو حیوانی عادات پر غالب کرنے اور جلاء باطن اور تزکیۂ روح کا موسم بہار ــــ کتاب مبین "قرآن کریم" کے پیش کردہ نصاب و نظام کی عملی ٹریننگ کے ایام تاکہ تم میں قرآنی زندگی پیدا ہو۔ یاایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ــــ

شہر اولہ رحمۃ ــــ واوسطہ مغفرۃ ــــ وآخرہ عتق من النار

واللہ یقول الحق وھو یہدی السبیل۔

سمیع الحق

ہماری دعائیں کیسے قبول ہوں؟

از قلم حضرت قطب العالم شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز

دعا کی قبولیت کے لئے چند شرائط ہیں۔

اوّل یہ کہ انسان کا کھانا پینا، پہننا وغیرہ سب حلال سے ہوں۔ ورنہ عمدہ سے عمدہ حالت میں بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، مسافر کی دعا حالتِ سفر میں بہت زیادہ قبول ہوتی ہے، مگر اس کے ساتھ اگر مسافر حالتِ سفر میں ہو اور اس کا مطعم وغیرہ حرام ہو تو کس طرح اسکی دعا قبول ہو سکتی ہے۔

دوم یہ کہ خلوصِ دل سے دعا کی جاوے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لایقبل اللہ الدعاء بقلب لاہٍ۔ اللہ تعالیٰ دعا کو غافل اور کھیلنے والے دل سے قبول نہیں کرتا ہے۔ پھر اگر صرف زبانی ہی دعا ہو اور دل دوسری طرف لگا ہو تو وہ دعا کس طرح قبول ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی دعا زیادہ تر قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ ستایا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا تو فرمایا: یا معاذ اتق دعوۃ المظلوم لیس لہا من دون اللہ حجاب۔ (اے معاذ مظلوم کی بد دعا سے بچ کیونکہ مظلوم کی بد دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں کوئی پردہ اور حائل نہیں ہوتا۔)

سوم یہ کہ دعا کی قبولیّت کے بارے میں جلد بازی اور استعجال سے کام نہ لیا جائے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ یستجاب لاحدکم مالم یستعجل الحدیث۔ (تم میں سے ہر ایک کے لئے قبولیّت دعا حاصل ہوتی ہے، جب تک کہ استعجال نہ کرے اور کہنے لگے کہ میں نے دعا کی مگر قبول نہیں ہوئی۔)

چہارم یہ کہ دعا میں یقین اور عزم قوی سے کام لیا جائے اور پختہ یقین سے دل سے دعا

مانگی جائے اور ہمت قویہ اور ارادہ قلبیہ کو پورے زور سے اس طرف لگایا جائے۔ یعنی جس طرح بچہ ماں سے مانگنے میں جب اڑ جاتا ہے اور پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا، ماں باپ ٹلانا چاہتے ہیں یا بہلانا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں مانتا اور تقاضوں پر تقاضا کرتا رہتا ہے، دوسری طرف نہیں دیکھتا، پھر ماں باپ اس کی مراد پوری کر دیتے ہیں، اسی طرح باری تعالیٰ سے پوری قوت قلبی اور ارادی عزم سے مانگا جائے۔ یہ نہ کہا جائے کہ باری تعالیٰ اگر تو مناسب سمجھتا ہو تو مجھ کو فلاں چیز دے دے اور بار بار پورے عزم اور جزم کے ساتھ مانگے تو انشاء اللہ مراد میں کامیاب ہوگا۔

پنجم یہ کہ اوقات قبولیت، امکنہ قبولیت، احوالِ قبولیت کا لحاظ کیا جائے، اوّل کی مثال آخر شب وغیرہ کی دعاء ہے۔ دوسرے کی مثال مسجد حرام یا دیگر متبرک مقامات کی دعاء ہے تیسرے کی مثال نماز کے بعد یا ذکر و استغفار کے بعد کی دعاء ہے۔

ششم یہ کہ دعاء سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے اس کے بعد دعاء مانگی جائے اور پھر آخر میں بھی درود شریف پڑھا جائے۔ اور دعا بار بار کی جائے، آنحضرت علیہ السلام کم سے کم تین مرتبہ عموماً دعاء کے الفاظ استعمال فرماتے تھے۔

محترما! جناب باری عزاسمہٗ فرماتا ہے۔ وَقال ربکم ادعونی استجب لکم۔ "تمہارا پالنے والا رب فرماتا ہے کہ تم مجھ کو پکارو اور حاجتیں مانگو میں قبول کروں گا۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَاِذا سَألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ اللہ اذا دعان فلیستجیبوالی ولیؤمنوابی۔ الآیۃ (اور جب تجھ سے میرے بندے میری نسبت پوچھیں تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں پکارنے اور مانگنے والوں کی دعاؤں کو جب کہ وہ مجھ کو پکاریں قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیئے کہ مجھ سے قبولیت کی خواہش کریں۔ اور مجھ پر یقین کریں۔)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خلوص اور عزم قلبی کی دعائیں ضرور قبول فرماتا ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے، وہ کریم و کارساز اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدوں کو پورا کرتا ہے، اگرچہ وہ مجبور نہیں ہے۔ مگر میرے محترم قبولیت کی بھی متعدد صورتیں ہیں:۔

الف — لبسا اوقات بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے ماں باپ سے ایسی چیزیں مانگتا ہے جس میں اس کی ہلاکت ہے، وہ جلتے ہوئے چراغ کی طرف لپکتا ہے تاکہ ہاتھ میں پکڑلے۔ وہ انگارے کو پکڑنا چاہتا ہے، وہ مٹھائی مانگتا ہے، حالانکہ مریض ہے، مٹھائی اس کو نقصان دیتی ہے، وعلیٰ ہذا القیاس، بہت سی چیزیں اس قسم کی ہیں۔ وہ کھیل کود چاہتا ہے، وہ مکتب میں جانا نہیں چاہتا، ماں باپ سے اصرار

کرتا ہے کہ مدرسہ اور مکتب میں نہ بھیجیں اس کو گلی ڈنڈا کھیلنے دیں. بداخلاق بچوں میں چھوڑ دیں وغیرہ وغیرہ۔ کیا ان صورتوں میں سمجھدار وخیر خواہ ماں باپ کا یہی فریضہ ہے کہ اس کی مراد پوری کی جائے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح انسان مبتلائے نفس وشیطان دنیادی اور مادی خواہشات کا متوالا، بسااوقات ایسی چیزیں مانگتا ہے جس میں سراسر آخرت کا اور روحانیت کا خسارہ ہی خسارہ ہے، کیا اس میں ماں باپ سے زیادہ تر شفیق ورحیم، رؤف وکریم، حکیم وعلیم کا یہی منصب نہ ہوگا کہ وہ ہم کو ایسے زہر ہلاہل کا پیالہ ہرگز نہ پلائے، اگرچہ ہم اس کو شربت جان افزا سمجھ کر تقاضوں پر تقاضے ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔

ب ــــ جس طرح بسااوقات بچے اپنی نادانی سے ماں باپ سے دنی اور ذلیل ریوڑی گٹوں یا گڑ وغیرہ پر اصرار کرتے ہیں اور چونکہ ایسی کچی مٹھائی صحت کے لئے مضر ہے تو ماں باپ بچہ کی مانگ پر پکی مٹھائی گلاب جامن، برفی، بالوشاہی دیتے ہیں مگر ریوڑی گٹے کو پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتے اور یہی اعلیٰ درجہ کی محبت اور ماں باپ کی عقلمندی اور شفقت شمار کی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر رب العالمین عالم السر والخفایا سے جو چیز ہم اپنی نادانی سے مانگ رہے ہیں اور اس کو اپنے لئے مفید جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایسی نہیں ہے نہ دے، اور روحانی نعمت دنیا میں یا آخرت میں کوئی نعمت ہماری مانگ اور دعا پر مہیا فرمادے تو کیا کہا جا سکتا ہے، کہ وہ دعا مقبول نہیں ہوئی اور مانگ خالی گئی۔ نہیں نہیں۔

ج ــــ اگر بچہ نے ماں باپ سے کسی چیز کا تقاضا کیا اور ماں باپ نے محبت سے اس کی طرف توجہ کرکے اس کو گود میں اٹھا لیا، گرد اور دھول جھاڑی بچہ کو نہلایا دھلایا، اس کو موذی جانوروں سے بچایا، اس کو دشمنوں سے بچایا، تو گو بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ ماں باپ نے میری استدعا نہ مانی اور میری طرف توجہ نہ کی۔ مگر عقلمند جانتا ہے. کہ یہ بچہ کے رونے اور مانگنے ہی کا اثر ہے کہ ماں باپ نے اس طرح اس کی طرف التفات کیا اور مضر چیزوں یا جانوروں سے اس کو بچایا، علیٰ ہذا القیاس بسااوقات بندہ کی دعا کی قبولیت ہو جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندہ پر سے کوئی سخت مصیبت آنے والی دور ہو جاتی ہے جس سے بندہ کا اس قدر نفع ہوتا ہے کہ اس کی مانگی ہوئی مراد میں عشر عشیر بھی نہ ہوتا۔

د ــــ بسااوقات دعا قبول ہو جاتی ہے اور اس کے اثر کے ظاہر ہونے میں کچھ دیر لگتی ہے۔ بندہ اپنی جلد بازی کی وجہ سے (جو کہ انسان کی فطری بات ہے) جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا[1] دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ[2] گمان کرنے لگتا ہے کہ

---

[1] اور انسان بہت جلد باز ہے۔ [2] انسان کی سرشت میں عجلت رکھی گئی ہے۔

میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون اور اس کی قوم پر بد دعا کی اور قبول ہوئی۔ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ مگر فرعون اس کے چالیس برس بعد مع اپنی قوم کے غرق ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جناب باری باسمہٗ نے جو وعدہ قبولیت کے متعلق فرمایا ہے، وہ سچا ہے۔ اگر دعا اپنی شروط کے ساتھ پائی جائے تو وہ ضرور مقبول ہوتی ہے، مگر یہ ضرور نہیں کہ اس کا ظہور اسی صورت اور اسی جلدی کے ساتھ ہو جو دعا کرنے کی تھی۔ اس لئے بندہ پر فرض ہے کہ اپنی چھوٹی اور بڑی سے بڑی حاجتوں کو ہمیشہ خدا سے مانگا کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تیرے جوتوں کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو مجھ سے مانگ، نمک یا لکڑی کی کمی ہو جائے تو مجھ سے مانگ، غرضیکہ جو حاجت بھی پیش آئے بندہ کا فریضہ ہے کہ گڑگڑا کر آقا جل مجدہٗ سے مانگا کرے، آقا حکیم و علیم ہے جو اس کی حکمت اور اس کے علم میں ہوگا۔ اس کو ظاہر فرمائے گا۔ دعا، مانگنا اور گڑگڑانا اس کو پسند ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ الدعاء مخ العبادة۔ دعا عبادت کا مغز اور گودا ہے۔ اور فرماتے ہیں۔ لَا یَرُدُّ القدر الا الدعاء۔ خداوندی تقدیر کو لوٹانے کی کسی چیز میں سوائے دعا کے طاقت نہیں ہے۔ بندہ کو چاہیئے کہ اپنے آقا جل مجدہٗ کے ساتھ گمان اچھا رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کیساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ فرمائے گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فاذا ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی واذا ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر من ملائه " (میں بندہ کے گمان کے پاس ہوں اور میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے، جب وہ مجھ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھ کو کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں (ملائکہ میں) یاد کرتا ہوں۔)

باوجود امور مذکورہ بالا کے کبھی کبھی تمام شروط کی موجودگی میں بھی دعا مقبول نہیں ہوتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ امت آپس میں نہ لڑے۔ مگر یہ دعا قبول نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ مختار ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ۔ الآیۃ۔

انسان لبا اوقات گھبرا کر اپنے اوپر بد دعا کرنے لگتا ہے، بالخصوص آپ جیسے مزاج کا جس میں طبیعت کی کمزوری اور نفس کا غلبہ، تحمل کا ضعف عاقبت سے غفلت وغیرہ ہوں اور یہی وجہ ہے کہ عورتیں بات بات میں اپنے آپ کو اور اپنے بچوں اور عزیزوں کو کوسنے اور بد دعائیں دینے

لگتی ہیں۔ بسا اوقات بڑے بڑے لوگ بھی معمولی رنجشوں اور اختلافات کی بناء پر ایک دوسرے کو بددعائیں دینے لگتے ہیں یا اپنی اور اپنی قوم اور برادری کی ہلاکت وغیرہ کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں۔ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهٗ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ اور انسان برائی کی دعا اسی طور سے مانگنے لگتا ہے جس طرح بھلائی کی دعا مانگتا ہے۔ اور انسان بہت جلد باز ہے۔ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ۔ اگر اللہ تعالیٰ آدمیوں کے لئے برائی کو اس طرح جلد ظاہر کر دیتا جس طرح وہ بھلائی کے متعلق چاہتے ہیں تو ان کی ہلاکت ہو جاتی۔ بہرحال حکمتہاء الہیہ اور پرورش ہائے ربانیہ متقاضی ہیں کہ انسانوں کی سب دعائیں قبول نہ کی جائیں ورنہ عالم تہ و بالا ہو جائے گا۔ اور انسانی دنیا کو انتہائی مشکلات پیش آجائیں گی، واللہ اعلم۔ ▼▼

تصحیح

پچھلے ماہ ارمغان سلیمان پر تبصرہ قسط ۲ میں دو ایک جگہ عبارت میں خامی رہ گئی ہے اصل عبارت اس طرح تھی :۔ "ہر نعت عظمت وعشق نبوی پر دال اور عارفانہ اور حکیمانہ طرز سخن کا کمال ہے۔ ہر جگہ ادب شریعت جوش عشق پر غالب ہے۔ اور واردات قلبی کی رعایت، قیود سخن گوئی و آداب شاعری کی کامل پابندی کے ساتھ ہے۔

ص ۵۴ سطر تین میں "عمق و مطالب" چھپ گیا ہے جو غلط ہے۔ "وعمق مطالب" ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ص ۵۵ سطر تین میں "عشق والہیت" نہیں "عشق و والہیت" ہے۔

دارالعلوم حقانیہ

جو طلباء علوم نبوت کی تعلیم و تربیت اور ملک و ملت کی تبلیغی و دینی خدمات پر سالانہ ڈیڑھ لاکھ سے زائد روپے خرچ کر رہا ہے۔ اس سال اس کا سالانہ بجٹ ایک لاکھ اٹھاون ہزار روپے ہے اس کے علاوہ دارالطلبہ اور جامع مسجد ہنوز غیر مکمل ہے جسکی تکمیل پر کئی لاکھ روپے لاگت کا تخمینہ ہے اور یہ سب کچھ عامۃ المسلمین کے تعاون سے ہو رہا ہے اس لئے رمضان المبارک اور عیدالفطر کے بابرکت مہینہ میں ضروری ہے کہ دینی درد رکھنے والے مسلمان اس موقع پر حسب معمول اپنے مذہبی مرکز اور عزیز دارالعلوم کے طلباء کے مصارف کیلئے اتنا سرمایہ جمع فرماویں کہ دارالعلوم ان مہمانان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سالانہ مصارف کا متحمل ہو کر باطمینان ملک و ملت کی خدمات میں مصروف رہے۔ اور اسکی نوبت نہ آئے کہ قلت سرمایہ کی وجہ سے ابتدائے سال (شوال المکرم) میں بوقت داخلہ بادل نخواستہ طالبان علوم نبویہ کو واپس ہونا پڑے۔ امدادی رقومات وغیرہ بھیجنے کا پتہ :۔ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور (پاکستان)

انسان کا مقصدِ حیات

ذکرِ حق
فکرِ حق
رضائے حق

مدینہ طیبہ میں تصوف و ارشاد کے مشہور بزرگ شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عباسی نقشبندی مدظلہ مہاجر مدینہ نے ، دسمبر ۱۹۷۶ء کو سفر پاکستان سے واپسی سے دو دن قبل یہ تقریر کراچی میں ارشاد فرمائی جسے اس وقت دارالعلوم حقانیہ کے قابل و فاضل مدرس مولانا شیر علی شاہ صاحب (جو سفر حج پر ہیں) نے قارئین الحق کے لئے قلمبند فرمایا ——— (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ۔ اما بعد ۔ فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون ——— اللہ جل جلالہ و عم نوالہ و عز برھانہ نے اس آیت کریمہ میں اپنے مؤمن بندوں کو مخاطب فرمایا ہے ۔ اے میرے بندو تم مجھے یاد کیا کرو ، میں تم کو یاد کیا کروں گا ——— خداوند قدوس کا کتنا بڑا احسان ہے ، کہ وہ ذکر کرنے والوں کو یاد فرمائی کی عظیم نعمت سے نوازتے ہیں ——— ایک بزرگ فرماتے ہیں ، کہ جب مجھے اللہ تعالیٰ یاد کرتے ہیں تو میں سمجھ لیتا ہوں ۔ مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یاد فرمایا ہے ۔ کیونکہ جب مجھے ذکر کی توفیق میسر ہوتی ہے اور اللہ اللہ کا ورد کرنے لگتا ہوں ۔ تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے یاد فرمایا ہے ۔ ذکر کی یہ برکت ہے کہ وہ ذاکر کو مذکور[1] میں فنا کر دیتا ہے ۔ اور غیر سے کاٹ دیتا ہے ۔ ذکر کرنے والے کو پھر ذاتِ مذکور کے علاوہ کوئی چیز بھی موجود نظر نہیں آتی ۔ حدیث شریف میں ہے : من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ ۔ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے ۔ ذکرِ قلبی کرتا ہے میں بھی اسکو خلوت میں یاد کرتا ہوں ۔ اور جو مجھے محفلِ ذکر میں یاد کرتا ہے ۔ ذکرِ جہری کرتا ہے ، میں بھی اس کا ذکر ملائکہ مقربین کی جماعت میں کروں گا ——— اگر اللہ کا ذکر خلوت میں کیا تو وہ بھی تم کو خلوت

---

[1] جس کا ذکر کیا جائے ۔

میں یاد سے نوازیں گے اور اگر جلوت میں یاد کیا تو فرشتوں کی مجالس میں تمہیں یاد کیا جائے گا۔ ذکرِ الٰہی سے تزکیۂ قلب ہوتا ہے۔ دل سے معصیت کی کدورت دور ہو جاتی ہے۔ ہمارے نقشبندی علماء لکھتے ہیں۔ مقصدِ زندگی تین چیزیں ہیں ___ ذکرِ حق ___ فکرِ حق ___ رضائے حق ___ زبان اس لئے ہے۔ کہ اس سے انسان ذکرِ حق کرے اور دل اس لئے ہے کہ اس میں فکرِ حق ہو اور ان دونوں سے غرضِ رضائے حق ہو۔ حدیث شریف میں تاجدارِ مدینہ علیہ الفُ صلوات ارشاد فرماتے ہیں: الا ان هذه القلوب تصدء کما یصدء الحدید۔ صحابہ کو متنبہ کر کے فرماتے ہیں کہ یہ دل زنگ آلود ہوتے ہیں جس طرح کہ لوہا زنگ آلود ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: فما جلاءها یا رسول اللہ۔ حضورؐ اس زنگ کو دور کرنے کا علاج کیا ہے۔ کیونکہ سونے کا زنگ تو پگھلانے سے جل جاتا ہے۔ لوہے کا زنگ سوہان سے دور کیا جا سکتا ہے۔ کپڑے سے میل کچیل صابن کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے۔ تو دل کا زنگ کس صیقل سے دور ہوگا۔ تو فرمایا: لکل شئ صقالة وصقالة القلوب ذکر اللہ۔ ہر چیز کے زنگ دور کرنے کیلئے اسی کے مطابق صیقل ہیں۔ اور دل کا صیقل ذکرِ الٰہی ہے۔ ذکر سے غفلت کے پردے دور ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ شیطان انسان کے دل پر مسلط ہوتا ہے۔ جب اللہ کا پیارا نام لیا جائے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔ (فاذا ذکر اللہ خنس) حالانکہ وہ چونچ لگا کر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ ذکر سے دل میں سکون وجمعیت اور دوامِ حضور نصیب ہوتا ہے ___ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ سرمایہ داری اور مادی ترقیوں سے بے چینی اور پریشانی بڑھتی ہے۔ ذکرِ خداوندی سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ ذاکر کثرتِ ذکر کی وجہ سے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ پھر اس کی نظر میں غیر اللہ کی کچھ وقعت نہیں رہتی۔ اگر تم اپنے دلوں کی صفائی چاہتے ہو اور دلوں کو معصیت کی کدورت سے صاف کرنا چاہتے ہو تو ذکرِ الٰہی کو اپنا وظیفہ بنالو ___

صحبتِ صالح

اللہ والوں کی ہم نشینی اور صحبت اختیار کرو۔ اللہ والوں کی مجالس میں شرکت کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کی دولت نصیب ہو جائے گی ؎

بے عنایاتِ حق وخاصانِ حق گر ملک باشد سیاہ باشد ورق

عباد اللہ اذا رُؤا ذکر اللہ۔ اللہ والوں کی ملاقات سے ذکرِ الٰہی کی نعمت نصیب ہوتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے، المرء علی دین خلیله فلینظر من۔ الخ (الحدیث) ___ ہر ایک آدمی اپنے دوست کے شیوہ وخصلت پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص چوروں کی محفل میں بیٹھے گا تو وہ تھوڑے سے عرصہ میں چور بن جائے گا۔ زناکاروں کی صحبت میں ہو تو زنا کے مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔ شرابیوں

کی سنگت انسان کو شراب پینے پر مجبور کرتی ہے۔ ہر مجلس اثر رکھتی ہے۔ اور اگر کوئی خوش قسمت اللہ والوں کے ساتھ بیٹھے گا۔ تو اس کے زبان اور دل میں اللہ اللہ کا یاد ہوگا۔ امورِ آخرت کی طرف توجہ پیدا ہوگی۔ القلب یاخذ من القلب والطبع یأ خذ من الطبع ۔ دل را بدل رہے است ۔۔ ہر ایک طبیعت اپنے ہم نشین کی طبیعت سے متاثر ہوتی ہے۔ نیک بندوں کے مجلس میں بیٹھنے سے نیک اثرات اثر انداز ہوں گے۔ تجربے شاہد ہیں ۔۔ مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

نیکوں کی سنگت سے انسان نیک بن جائے گا، اور بدکاروں کی سنگت سے انسان بدکار بن جائیگا۔

مولانا نے فرمایا ہے ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء اللہ کی مجالس میں کچھ وقت کے لئے بیٹھنا سو سال کی مخلصانہ عبادت سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے ذکر کے صیقل سے صاف فرمادے، اور ہمیں صحیح بندگی کی توفیق بخشے ۔۔۔۔

بھائیو! یہ دنیا دار القرار نہیں۔ یہاں ہمیشہ کے لئے ہمیں رہنا نہیں۔ یہ تو وجود بین العدمین ہے۔ پہلے ہم کہاں تھے اور مرکر کہاں ہوں گے۔ اصلی جگہ تو دارِ آخرت ہے۔ اور اسی کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔ اس دنیوی زندگی سے مقصد تو معرفتِ رب ہے۔ کہ ہمارا بھی کوئی منعم اور محسن ہے، جو دن رات ہم پر نعمتوں کی بارشیں برسا رہا ہے۔ اسی ذاتِ اقدس کی بندگی اور تابعداری ہمارا فریضہ ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ جن و انس کو اپنی بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے ۔۔۔۔ رہا دنیوی کاروبار، دنیاداری کے معاملات ۔ رزقِ حلال کی کمائی ۔ تو یہ صرف اس لئے ہیں کہ عبادت و بندگی کے کام آجائیں۔ اس لئے کھانے کی ضرورت ہے کہ انسان میں قوت پیدا ہو تاکہ وہ نماز پڑھ سکے، کپڑے کی اس لئے ضرورت ہے کہ اس سے عورت کو چھپا کر نماز پڑھ سکیں۔ بیوی اور بچوں کو کھلا سکیں۔ ایسا نہیں کہ اپنا نصب العین دنیاداری بنالیں۔ ہمارا نصب العین بندگی ہے۔ معرفتِ ربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ المعاملات وسائل والعبادات مقاصد ۔ دنیا کے کام کاج تو صرف وسائل اور آلات ہیں۔ مقصد تو عبادت ہے۔ ہم نے ناسمجھی کی وجہ سے آلہ کو مقصود سمجھ لیا ہے۔ اسباب میں پھنس گئے اور مقاصد کو چھوڑ دیا ہے۔

دوستو! ہمت کرو۔ اس زندگی کو غنیمت سمجھ کر آخرت کے لئے توشہ مہیا کرلو۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔ اغتنم خمسا قبل خمس ۔۔۔۔ پانچ چیزوں کو پانچ سے قبل غنیمت جانو۔ جن میں

سے صحت، عمر اور تونگری بھی ہے ـــــــ صحت کی قدر کرو اور صحت کی حالت میں بندگی اور طاعت سے مولیٰ کو راضی کر لو۔ غنا اور ثروت کی قدر کرکے غریبوں اور یتیموں کی مدد کرلو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ جب فقر و فاقہ اور تنگی میں مبتلا ہو جاؤ گے تو پھر کہاں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔ آج ہم نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے ـــــــ ان پانچ کے علاوہ ہزاروں نعمتیں ہیں، جن کا شکریہ ہم کبھی بھی بجا نہیں لا سکتے۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ خدا کی نعمتوں کو تم نہیں گن سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو شکر گذار بندے بنا دے جتنا بھی ہو سکے شکر ادا کرو ـــ صوفیائے عظام لکھتے ہیں۔ الشکر قید الموجود وصید المفقود شکر سے موجودہ نعمتیں پائیدار ہو جاتی ہیں، اور جو نعمتیں ابھی شکر گذار کو نہیں ملیں وہ بھی مل جائیں گی ـــ ان شکرتم لازیدنکم۔ الخ اگر تم میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو گے تو میں نعمتوں کو بڑھا دوں گا۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے لینا چاہے تو شکر کرے۔ جہاں بھی نظر پڑے وہاں خدا کی نعمت نظر آتی ہے۔ کوئی ایسی جگہ نہیں۔ جہاں نعمت ایزدی نہ ہو، یہ آسمان، سورج، چاند، تارے، دریا، پہاڑ سب کے سب انسان کے لئے ہیں۔ خود انسان اپنے بدن کو دیکھے۔ دماغ، آنکھ، ناک، کان، زبان غرض یہ تمام اعضا کتنی قیمتی نعمتیں ہیں۔ دل کتنی بڑی نعمت ہے۔ زبان کا شکریہ ہے کہ اس سے تلاوتِ قرآن کرو۔ حدیث رسول اللہ صلعم پڑھو۔ اللہ اللہ کا وظیفہ کرو۔ زبان جھوٹ۔ گالی اور فحش کلام کے لئے نہیں ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ اس کو غیبت چغلخوری بدکلامی میں صرف کیا جائے۔ تو جس چیز کے لئے زبان کی یہ نعمت دی گئی ہے اسی کے لئے استعمال کرنی چاہئے۔ اگر ضد میں استعمال کیا تو بجائے شکر کے کفرانِ نعمت ہوا۔ اسیطرح کان اس لئے دئے گئے ہیں۔ کہ اس سے قرآن و حدیث سنیں۔ بزرگوں کی باتیں سنیں۔ والدین کے فرمان سنیں۔ پاؤں نیک کاموں کے لئے دئے کہ نیکی کی جگہوں کو جایا کرو۔ والدین کی اطاعت میں دوڑو۔ خانہ کعبہ کا طواف کرو۔ صفا و مروہ میں سعی کرو۔ بزرگانِ دین سے فیض حاصل کرنے کے لئے چلو۔ ہاتھ اس لئے دئے گئے کہ اس سے قرآن مجید پکڑو۔ والدین کی خدمت کرو۔ مسلمانوں سے مصافحہ کرو تو گناہ معاف ہوں گے۔ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھو تو حضورؐ کے جوارِ رحمت میں قرب کے مراتب نصیب ہوں گے۔ یہ ہاتھ ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے لئے نہیں دئے۔ چوری اور جیب تراشی کے لئے نہیں دئے۔ بے گناہ کسی کو مارنے کے لئے نہیں دئے۔ آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ کارخانۂ عالم اور مصنوعاتِ الٰہی کو دیکھ کر ان کے پیدا کرنے والے کا یقین کر لو۔ آنکھوں سے والدین کے چہروں کو احترام کی نگاہوں سے دیکھو تو جنت حاصل کر لو گے۔ اور آنکھوں سے بیت اللہ کی عظمت و جلال کا معائنہ کرو۔ گنبدِ خضرا کی دلکشی اور جمال کو دیکھو۔ قرآن مجید دیکھو ـــــــ (باقی آئندہ)

اس مضمون میں حضرت علامہ افغانی سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند و سابق وزیر معارف ریاست قلات نے اپنے مخصوص حکیمانہ اسلوب میں فریضۂ حج پر روشنی ڈالی ہے۔ اور فریضۂ حج کے بارہ میں مغربی اور الحادی شکوک و شبہات کا متکلمانہ انداز میں جواب دیا ہے۔ یہ بلند پایہ مضمون ایسے وقت میں شائع کیا جا رہا کہ زائرین حج کی روانگی قریب ہے۔ امید ہے کہ حجاج حضرات اور عام مسلمانوں کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ اور اہل علم حضرات کے لئے بھی اس کا مطالعہ بے حد مفید رہے گا۔ امید ہے کہ عمیق اور عالمانہ طرز بیان کے باوجود اس مضمون سے استفادہ کیا جائے گا۔ (ادارہ)

اسلامی عبادات میں حج بیت اللہ ایک ایسی عبادت ہے کہ مستشرقین یورپ نے سب سے زیادہ اعتراض کا مورد اسی کو بنایا ہے۔ درحقیقت مستشرقین کی استشراقی سرگرمیوں کا محوری نکتہ اور مقصد علمی تحقیق کم اور اعتراضی پہلو زیادہ ہوتا ہے جس سے ان کا مقصود مسلمانوں کے قلوب سے اسلامی عبادات کی عظمت کو ختم کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تحریک علمی کم اور سیاسی زیادہ ہے، اس لئے انہوں نے زبان و قلم دونوں سے اس پروپیگنڈہ کو زور شور سے پھیلایا۔ کہ اسلامی عبادات میں حج ایک نامعقول فعل و عمل ہے۔ اسلام کے متعلق مسیحیوں کی یہ دریدہ دہنی صلیبی جنگوں سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن دور حاضر میں مخصوص مصلحت اندیشیوں کے تحت اس فتنہ نے استشراق کا علمی لبادہ پہن لیا، تاکہ زیادہ جاذب توجہ ہو سکے۔ صلیبی جنگوں سے بہت پہلے شام کے ایک نابینا شاعر اسی فتنہ سے متاثر ہو کر طنزاً کہہ چکا ہے:

وقومٌ أتوا من أقاصي البلاد لرمي الجمار ولثم الحجر
فواعجبا من مقالاتهم أيعمى عن الحق كل البشر

"مسلمان قوم دور دراز ممالک سے سنگریزوں کے پھینکنے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے آتی ہے۔ اور اس وقت جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ قابل تعجب ہے۔ کیا حق سے ساری دنیا اندھی ہو چکی ہے۔"

یہ شاعر ابو العلاء المعری ہے جسکی ولادت ۳۶۳ھ میں اور وفات ۴۴۹ھ کو ہوئی ہے۔ اس سے اس فتنہ کی قدامت ثابت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عبادات میں حج چونکہ سب سے زیادہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے جسکو مسیحیوں کا سیاسی مزاج برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے سارا زور قلم انہوں نے اسی کے خلاف صرف کیا۔ جس طرح جہاد کو انہوں نے ہدف طعن بنایا تھا۔ جس کا ان کے مقلد مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ وہ اس کے نام لینے سے بھی شرمانے لگے، اور اسلام کی اس عظیم طاقت کو انہوں نے تاویلات کے شکنجے میں جکڑ کر اسکی اصلی روح کو ختم کر دیا۔

حج اور جہاد اسلام کی وہ زبردست دو طاقتیں ہیں، جو مسیحی اقوام کے سیاسی مزاج کے لئے خطرہ ہیں۔ وہ مسلمانوں کی رگ حیات کو خوب جانتے ہیں۔ اس لئے وہ اسی مقام پر اپنا نشتر اعتراض چبھو دیتے ہیں جس سے وہ ہماری حیات ملی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ فلسفہ حج کے متعلق کچھ ضروری امور بیان کر دوں تاکہ اس قسم کی غلط اندیشیوں کا خاتمہ ہو اور اصلی حقیقت کسی حد تک سامنے آ جائے۔

مقام حج

حج کی اہمیت کے پیش نظر کتاب و سنت نے اسکو اسلامی زندگی کا اہم جز قرار دیا ہے۔ وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنیٌ عن العالمین۔ (القرآن) ترجمہ: "اللہ کی طرف سے لوگوں پر ایک خاص گھر کا حج فرض ہے جسکو وہاں پہنچ جانے کی طاقت ہو، اور جو کفر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔"

اس آیت میں فرضیت حج کے ساتھ ساتھ ترک حج کے لئے ایسی شدید تعبیر اختیار کی گئی جس نے اسلامی زندگی کیلئے حج کو بہت ضروری قرار دیا۔ یعنی ترک حج کے لئے وَمَنْ لَمْ یَحُجَّ یعنی جو کوئی حج نہ کرے یہ تعبیر اختیار نہیں کی گئی بلکہ اس کی بجائے یوں فرمایا وَمَنْ کَفَرَ یعنی جو کفر اختیار کرے جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ استطاعت کے باوجود ترک حج ایک کافرانہ فعل ہے، مومنانہ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ حج اور ایمان میں کس قدر شدید تعلق ہے۔

ابو امامہ سے مسند امام احمد میں روایت ہے کہ جو مسلمان مر جائے اور بلا عذر حج ترک کر دے تو

وہ یہودی اور نصرانی کی موت مرتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دو گروہ حج کے خلاف ہیں، کیونکہ مشرکین عرب قبل از اسلام بھی حج کرتے تھے۔

روح المعانی میں صحیح سند کے ساتھ فاروق اعظم کا ایک فرمان منقول ہے کہ میرا یہ ارادہ ہو کہ مسلمانوں کے شہروں میں اپنے عامل اور کارندے بھیج دوں تاکہ جو مسلمان استطاعت کے باوجود حج نہ کرتا ہو ان پر جزیہ لگائے، کیونکہ وہ مسلمان نہیں۔

اس سے حج کا مقام بخوبی سمجھ میں آگیا ہوگا، اب حج کا تعلق چونکہ بیت اللہ اور خانہ کعبہ سے ہے۔ اس لئے حقیقت کعبہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ بیت اللہ اور خانہ کعبہ کے متعلق صحیح اسلامی تصور ذہن میں جم جائے۔

حقیقتِ کعبہ

آگے چل کر ہم بیان کریں گے کہ محبت الٰہی جو فطرت انسانی میں داخل ہے۔ اس کی تکمیل اور تشنگی بجھانے کیلئے ایک مرکز کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ تصور محبت کیلئے ایک ٹھکانہ ہو ——— اس مرکزیت کے انتخاب کیلئے اسلام نے ضروری سمجھا کہ وہ مرکز مظہر تجلی الٰہی تو ضرور ہو، لیکن بت یا بت کا مشابہ اور مماثل نہ ہو، تاکہ خدا پرستی بت پرستی کی شکل اختیار نہ کرنے پائے اور اسلامی توحید صنمیت (بت پرستی) سے آلودہ نہ ہو اور ذات حق کی شان تنزیہی قائم رہے۔

علم الاصنام سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ بشریت کے آغاز سے اللہ کے سوا جن اشیاء کو اب تک معبود بنایا گیا ہے وہ ایسی چیزیں تھیں، جن میں مندرجہ ذیل خصوصیات موجود تھیں۔

۱۔ مبصریت یعنی نظر آنے والی چیز۔ ۲۔ لونیت یعنی رنگدار ہونا۔ ۳۔ کثافت یعنی ایسا جسم ہونا جو لطیف اور غیر مرئی نہ ہو۔

زمینی بت اور آسمانی ستارے سب اسی دائرے کی چیزیں ہیں۔ کہ نظر بھی آتی ہیں، رنگدار بھی ہیں اور غیر مرئی بھی نہیں۔

اسلام نے مرکز محبت کیلئے ایسی چیز کا انتخاب کیا ہے، جو بتوں سے ان تین خصوصیات میں بالکل جدا اور مباین ہے۔ اور وہی چیز حقیقت کعبہ ہے۔ یعنی خانہ کعبہ کی چار دیواری کے درمیان جو فضا ہے اور جو اوپر کو غیر محدود مقام تک چلی گئی ہے۔ وہی حقیقت کعبہ ہے۔ باقی چھت اور چار دیواری اس فضا کی تعین و تشخص کیلئے کھینچی گئی ہے تاکہ تجلی گاہ الٰہی کی یہ فضا دوسری فضا سے مخلوط نہ ہونے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اسلامی دور میں عبد اللہ بن زبیرؓ نے تعمیر کعبہ کے سلسلہ میں پرانی دیواریں اور چھت گرائی اور از سر نو خانہ کعبہ کو تعمیر کیا، اسی طرح اس کے بعد حجاج ابن یوسف الثقفی نے خلیفہ عبد الملک کے

حکم سے ابن زبیر کے بناکردہ خانہ کعبہ کو گرایا اور نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ ان دو واقعوں کے دوران چھت اور چار دیواری باقی نہ رہی لیکن مسلمانوں نے قبلہ رخ ادائیگی نماز کو اسی طرح جاری رکھا۔ اور نماز کو ملتوی کرنے کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا۔ جو اس امر کی دلیل ہے کہ عمارت گرا دینے کے باوجود حقیقی کعبہ باقی تھا جو فضائے کعبہ ہے۔ اس کے علاوہ ہم ابوقبیس یا قیقعان پہاڑ پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جو خانہ کعبہ کی چھت سے بہت بلند ہے۔ اس لئے ان پہاڑوں کی چوٹی پہ جو نمازی ہو تو اس کے بالمقابل عمارت کعبہ سامنے نہیں آتی، بلکہ کعبہ کی چار دیواری اور چھت نیچے رہ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ زمین گول ہے، لہٰذا دور علاقے کا اگر کوئی آدمی ہموار زمین پر بھی نماز پڑھے تو کعبہ کی عمارت سامنے نہ ہوگی، لیکن کعبہ کی دیواروں کے درمیان گھری ہوئی فضا جو آسمانوں تک گئی ہے۔ وہ ہر حال میں سامنے رہے گی۔ اور یہی فضا حقیقی کعبہ ہے۔ چھت کا ڈالنا بالائی تحدید کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے تاکہ دیواروں کی حفاظت ہو۔

اس پر ہوائی جہاز کی نماز کو قیاس کرو، کہ اس میں سمت قبلہ کو اگرچہ عمارت موجود نہیں لیکن فضا موجود ہے جو کہ حقیقی کعبہ ہے۔ ان وجوہات سے حقیقی کعبہ کا اسلامی تصور واضح ہوگیا۔

مرکزیت محبت کیلئے فضا کا انتخاب

جب یہ معلوم ہوا کہ حقیقی کعبہ بیت اللہ کی معین فضا ہے اور فضا یا ہوا ایک ایسی چیز ہے جو بت پرستانہ خصوصیات سے پاک ہے۔ فضا میں نہ مبصریت ہے کیونکہ فضا نظر نہیں آتی، نہ کثافت ہے، بلکہ لطافت ہے اور نہ لونیت یعنی رنگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی قوم نے فضا یا ہوا کی عبادت نہیں کی۔ اس انتخاب میں ایک طرف فطرتِ انسانی کا لحاظ ہے کہ اس کے تصورِ محبت کے لئے ایک معین ٹھکانہ ہو۔ اور دوسری طرف ذات حق اور محبوبِ حقیقی سے بھی ایک درجہ میں مناسبت ہے کہ رنگدار اور کثیف نہ ہونے کی وجہ سے لاتدرکہ الابصار (کہ اسے آنکھیں نہیں دیکھتیں) مصداق ہے۔

مناسکِ حج اور افعالِ حج کو چونکہ اسی حقیقی کعبہ سے تعلق ہے۔ لہٰذا ہم اسلام کے اس عظیم رکن حج کا فلسفہ اور اس کے اسرار و حکم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ ذہن میں حج کی معقولیت کا تصور جم جائے۔

پہلی حکمت

انسان کائنات عالم کی ایک شریف ترین ہستی ہے۔ اور اسکی فطرت میں مخصوص محبت داخل ہے جس کا نام محبت لطیفہ ہے۔ محبت اگر مادیات سے ہو تو وہ محبت کثیفہ ہے۔ اس میں حیوان اور انسان مشترک ہیں۔ کیونکہ انسان بھی حیوانات کی طرح ایک جسم مادی

رکھتا ہے تو حیوانات کے ساتھ اس وصف میں اس کا اشتراک لازمی ہے۔ حیوان کو کھانے کی چیزوں سے محبت ہے، اپنے سے محبت ہے، نر و مادہ میں باہمی محبت ہے۔ اولاد سے محبت ہے۔ ان ساری محبتوں میں انسان ان کا شریک ہے اور اسی کا نام محبت کثیفہ ہے۔

محبت کی دوسری قسم محبت لطیفہ ہے جو صرف انسانی خصوصیت ہے، اور روح انسانی کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ لطیف اور نامحسوس اشیاء سے محبت کرتی ہے۔ مثلاً انسان کو خود اپنی روح سے محبت ہے، علم سے محبت ہے، اپنی بصارت یعنی قوۃ بینائی سے محبت ہے۔ اور یہ سب چیزیں لطیف اور ماوراء حس ہیں۔

محبت لطیفہ کی اعلیٰ قسم

محبت لطیفہ کی اعلیٰ قسم خداوند تعالیٰ کی محبت ہے کیونکہ محبوب سب سے اعلیٰ ہے۔ اور یہ محبت بھی فطرت انسانی میں داخل ہے۔ انسان نے تاریخ کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کیا ہے، اور اسی محبت کے فطری جذبہ کی تکمیل کیلئے اس نے عبادت گاہیں، کسی نے مسجد کسی نے مندر کسی نے گرجا کی تعمیر کی ہے۔ اس میں صرف اہل اسلام نے محبت الٰہی کے صحیح مقام کو پایا اور باقی اقوام نے اصل مقام سے بھٹک کر محبت الٰہی کا غلط تصور اختیار کیا۔ لیکن محبت الٰہی صحیح ہو یا غلط دونوں صورتوں میں محبت الٰہی کے فطری ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ محبت کھری ہو یا کھوٹی پھر بھی اصلی محبت کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ محبت الٰہی کی غلط قسم خود محبت کی صحیح قسم کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کسی جگہ کھوٹا روپیہ یا جعلی نوٹ استعمال ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اصلی نوٹ یا کھرا روپیہ بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ اور یہ جعلی اور کھوٹا سکہ اس کے خلاف ہے۔ باطل کی موجودگی حق کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ ورنہ حق و باطل کی تقسیم ہی بیکار ہو جائے گی۔

جب یہ ثابت ہوا کہ جس طرح محبت کثیفہ جسمانی اعتبار سے فطری ہے اور ہر کوئی کھانے، پینے اور جنسی میلان سے محبت رکھتا ہے۔ تو اسی طرح روحانی حیثیت سے انسان کیلئے محبت الٰہی بھی فطری ہے اور جس طرح قدرت نے محبت کثیفہ مادیہ کے لئے سروسامان کا انتظام کیا ہے اور زمین پر کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا دسترخوان قدرت نے انسان کے لئے بچھا دیا ہے۔ اسی طرح محبت لطیفہ کے فطری تقاضا کی تکمیل کیلئے بھی قدرت نے انتظام کیا ہے کیونکہ یہ روحانی تقاضا جسمانی تقاضا سے اہم اور قیمتی ہے۔

محبت روحانیہ لطیفہ کی تکمیل

خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہر انسان کو محبت ہے۔ اگرچہ چند ایسے لادین اور دہریے افراد بھی موجود ہوں کہ ان کو خدا سے

محبت نہ ہو بلکہ سرے سے خدا سے انکار ہو، تو اس سے محبت الٰہی کے فطری ہونے پر اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ ان کو روحانی مریض اور قلب و دماغ کا بگڑا ہوا شخص تصور کیا جائیگا۔ جیسے کہ بعض مریضوں کو بوجہ مرض کھانے کا شوق باقی نہیں رہتا، اور نہ طبیعت میں غذا کھانے کی طرف میلان ہوتا ہے۔ تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ غذا فطری کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ مزاج بدنی اعتدال پہ نہیں اور وہ مریض ہے۔ یہی حال روحانی مزاج کا ہے۔ جب وہ اپنے فطری تقاضا محبت الٰہی سے بیزار ہو جاتا ہے تو یہی سمجھا جائے گا۔ کہ اس کا روحانی مزاج اعتدال سے ہٹا ہوا ہے اور اس کی روح اور قلب و دماغ مریض ہے۔

مرکزیت کعبہ کی ضرورت

محبت الٰہی میں چونکہ محب مکانی اور زمانی ہے اور محبوب حقیقی غیر زمانی وغیر مکانی ہے۔ اس کے علاوہ ماوراء تصور ہے۔ لہٰذا دونوں میں کامل بعد اور عدم تناسب ہے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ شان تنزیہ[1] اور کبریائی کو قائم رکھتے ہوئے مخلوقات باری میں کعبہ حقیقی (فضاء بیت اللہ) کو وہ اپنے انوار و تجلیات خاصہ کا مظہر بنائے، تاکہ مکان و زمان کی نقاب میں آکر وہ انوار و تجلیات انسان کے تصور محبت کیلئے تسکین کا سامان ہوں اور ارتباط محبت کے استحکام کا ذریعہ بنیں۔ وہ مظہر تجلی تمام صنمی خصوصیات[2] سے مبرا ہو، اس مظہر تجلی الٰہی کے ساتھ جو محبانہ اور عاشقانہ عمل بطور عبادت وابستہ کیا جائے۔ مثلاً حج اس کے تمام اعمال و مناسک بھی ایسے ہوں کہ وہ واحد لاشریک ذات یعنی صاحب تجلی کے لئے ہوں، کعبہ اور تجلی گاہ کے لئے نہ ہوں، کیونکہ تجلی گاہ یعنی کعبہ خود مخلوق اور عبد ہے نہ کہ معبود۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے حجر اسود کو جو کعبہ کا مقدس ترین حصہ ہے مخاطب کر کے مجمع عام میں فرمایا: واللہ انک لحجر لا تنفع ولا تضر لولا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک ما قبلتک۔ (بخدا میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے۔ نہ فائدہ دے سکتا ہے، اور نہ نقصان اگر حضور تجھ کو بوسہ نہ دیتے تو میں تجھ کو ہرگز بوسہ نہ دیتا۔) یعنی میرا عمل حضور کے عمل کی پیروی ہے۔ اور حضور کا عمل اس لئے نہ تھا کہ خود حجر اسود محبوب ہے۔ بلکہ محبوب حقیقی کی محبت کی علامت ہے یہی راز ہے کہ حج کے تمام اعمال میں جو مسلسل عمل ہے وہ تلبیہ ہے یعنی لبیک اللھم لبیک۔ لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک[3]۔ یہی وہ الفاظ ہیں جن کو بار بار حاجی دہراتا ہے۔ اور جن میں اللہ کی کبریائی کا اعلان ہے۔ تمام حجاج تلبیہ کہہ کر

---

[1] اللہ کی پاکیزگی اور بڑھائی [2] بت پرستانہ صفات [3] حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں سب تعریف سارا احسان تیرا ہی ہے سلطنت تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

بار بار یہ اعلان کرتے ہیں کہ ساری طاعت، نعمت، حمد و اعتبار صرف ذات رب العالمین کے لئے ہے۔ اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

حج کے تمام اذکار میں الٰہی عظمت و توحید کا یہ ورد و تکرار جاری رہتا ہے۔ اور ان میں ایک لفظ بھی خانہ کعبہ یا حجر اسود یا حج سے متعلقہ مقامات کی مدح و تعریف کے لئے موجود نہیں تاکہ غیر اللہ کی پرستش کا ادنیٰ توہم بھی پیدا نہ ہو سکے۔

انسان کے ہر فطری جذبہ کے جداگانہ مقتضیات ہیں، اور ان تقاضوں کی تکمیل کا تعلق ایک خاص دائرہ عمل سے وابستہ ہے۔ ایک ریاضی دان کے جذبہ حساب دانی کی تکمیل مشکل سوالات کے حل کر دینے سے ہوگی، موسیقی کے نغموں سے نہ ہوگی۔ لیکن جذبۂ موسیقیت کی تکمیل سوالات حساب کے حل سے نہ ہوگی، نغمہ سنجی اور ساز نوازی سے ہوگی۔ اسی طرح عشق الٰہی کے جذبہ کی تکمیل کے تقاضے خستہ حالی بے سر و سامانی، ترک عیش و طرب، خود رفتگی اور محبوب حقیقی میں محویت کے عاشقانہ حرکات اور والہانہ اداؤں سے پورے ہوں گے۔ جسکو نا آشنایان کوچہ عشق و محبت جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔

ز رمز زندگی بیگانہ تہ باد کسے کو عشق را گوید جنون است

حج بیت اللہ کی دوسری حکمت۔ مرکزیت

ملت اسلامیہ کی حیاۃ دینی و دنیوی کیلئے افراد ملت کے ارتباط باہمی اور نظم و اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔ عقائد و افکار و اعمال کی معنوی ربط اس وقت تک منضبط نہیں ہوسکتی، تا وقتیکہ اس نامحسوس رابطہ و یگانگت کو محسوس قالب میں نہ ڈھالا جائے اور ان سب کو ایک جیسے اعمال و حرکات و طرز لباس کے ساتھ ساتھ ایک مرکزیت محسوسہ مجوزہ کیساتھ وابستہ نہ کیا جائے۔ تنظیم ملت ایک مرکز محسوس کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ افراد ملت کیلئے اس کے ساتھ خصوصی عقیدت اور شیفتگی ہو۔ اور اس کے ساتھ وابستگی کا ایک سالانہ بین الاقوامی مظاہرہ ہو تاکہ مرکز سے ارتباط کا جذبہ کمزور نہ ہونے پائے اور مرکزی حکومت کا جوش قلوب و اذہان میں تازہ اور زندہ رہے جس کے لئے فریضۂ حج کے سالانہ اجتماع کی شکل میں انتظام کیا گیا۔ تاکہ مرکزیت ملی کی عظمت و عقیدت تازہ رہے۔ اس کے علاوہ اس جذبہ کی بقا و حیات کیلئے روزمرہ کے اسلامی معمولات میں بھی حکیمانہ قوانین نافذ کئے گئے، تاکہ تصور مرکزیت میں ضعف نہ آنے پائے۔ فولو وجوھکم شطر المسجد الحرام کے الٰہی قانون کے تحت حکم دیا گیا کہ پنجگانہ نمازوں بلکہ ہر نماز میں تمہارا رخ ملی مرکز کی طرف ہو۔ اور لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروا میں مرکز ملی کے ادب و عظمت کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا کہ قضائے حاجت کے وقت مرکز ملی کی طرف رخ اور پیٹھ

نہ ہو تاکہ اس وقت بھی تم کو اس کا احترام و ادب ملحوظ رہے۔ یہاں تک کہ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے اور تھوکنے تک کی بھی بندش کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے دین کا ہر عمل اور خشک سے خشک عبادت بھی سراپا سیاست ہے۔ جسکو مغربی قومیں خوب سمجھتی ہیں۔ اس لئے مستشرقین ایسی ہی چیزوں کو مورد اعتراض بناتے ہیں، تاکہ تنظیم ملت پارہ پارہ ہو۔

حج کی تیسری حکمت ۔ مساوات

اسلام کا مقبول ترین اصول مساوات اسلامی ہے کہ کسی دین میں اسکی نظیر نہیں۔ مساوات ہی وحدت ملی کی سب سے بڑی قوت ہے جس سے افراد ملت محبت باہمی کی کشش سے ایک دوسرے سے مربوط ہو سکتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر افراد ملت کے امراء کو غرباء اور غرباء کو امراء سے نفرت ہو تو انضباط ملت کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

اسلام نے نماز باجماعت، روزہ رمضان، نماز عیدین، زکوٰۃ میں مساوات اسلامی کے پہلوؤں کو مختلف شکلوں میں پیش نظر رکھا، لیکن فریضہ حج میں مساوات اسلامی کو ایک مکمل شکل دیدی گئی ہے۔ تاکہ اس عمل سے ایک ایک فرد ملت کے قلب و دماغ پر اسلامی برادری کی مساوات کا تصور پوری طرح جم جائے، ہر حج کرنے والا خواہ شاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب ایک جیسے لباس احرام میں ملبوس ہوا)، اور سب کے سب جملہ تعیشات زندگی سے یکسو ہو کر سادہ لباس میں ایک ہی جگہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں، تاکہ ایک خاص وقت تک اس مساویانہ طرز زندگی سے مساوات اسلامی کا نقش دل پر جم جائے اور امیر و غریب کے مصنوعی تفاوت کا حجاب اسلامی برادری کی راہ اتحاد میں حائل نہ ہونے پائے۔ معاشی تفاوت خالق کائنات کی تکوینی حکمت کے تحت اگرچہ ضروری ہے۔ کیونکہ معاشیات جن علمی و عملی قوتوں سے وابستہ ہیں خود نظرتاً وہ قوتیں تمام انسانوں میں یکساں نہیں متفاوت ہیں اسی معاشی تفاوت نے ایک کو دوسرے کا محتاج بنادیا ہے اور یہ احتیاج بھی فی الحقیقت یکطرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ ہے تاکہ حاجتمندی میں بھی مساوات رہے مثلاً ہم اگر درزی سے کپڑے سلواتے ہیں یا دھوبی سے دھلواتے ہیں تو درزی اور دھوبی رقم اجرت کے محتاج ہیں۔ لیکن ہم خود ان کے عمل کے محتاج ہیں اسی دوطرفہ احتیاج نے متفاوت افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔
لیتخذ بعضھم بعضاً سخریاً جس سے معلوم ہوا کہ معاشی تفاوت بھی تنظیم کا سبب ہے لیکن اس تفاوت سے دولتمند افراد میں جو خودسری، تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے، وہ تنظیم ملت کیلئے زہر قاتل ہے۔ اس لئے اسلام کے عباداتی نظام میں بھی اس خرابی کو دور کرنے کا اہتمام کیا گیا جسکی ایک شکل حج کا ایک

مساویانہ طرزِ زندگی ہے۔

حج کی چوتھی حکمت۔ سفرِ آخرت کا نقشہ انسان کے قلب و دماغ پر جس قدر آخرت کا تصور غالب ہو اسی قدر وہ نیکوکار پاکیزہ اطوار اور خداترس ہوتا ہے۔ اور جس قدر تصورِ آخرت سے غفلت ہو، اسی قدر وہ فسق و فجور ظلم و ستم فتنہ و فساد سیاہکاریوں اور بدکاریوں میں ملوث ہوتا ہے۔ اس لئے فکر و عمل کی پاکیزگی کے لئے آخرت اور یوم الحساب کا نقشہ ذہن میں جمانا ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ اصلاحِ عمل و درستی کردار کا سامان ہو۔ اعمالِ حج میں سفرِ آخرت کی پوری تصویر ہے، سفرِ آخرت موت سے شروع ہوتا ہے جس میں آدمی وطن و اولاد اور اقارب سے جدا ہوتا ہے۔ حاجی جب گھر سے نکلتا ہے اور اولاد، وطن، احباب کو چھوڑتا ہے تو یہ موت کا نمونہ ہے۔ لباس احرام یعنی دو چادریں جن میں ملبوس ہو کر اعمالِ حج ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ نمونہ کفن ہے۔ جسکو ہر وقت حاجی دیکھ کر کفن کی یاد تازہ کر سکتا ہے۔ حاجی کی سواری جس پر بیٹھ کر وہ سفرِ حج کرتا ہے، اسکو اپنا مآل و انجام یاد دلاتی ہے، کہ کسی دن دوسرے کے کندھوں پر اس طرح تمہارا جنازہ سوار ہو کر اسی طرح لازم سفرِ آخرت ہوگا، عرفات اور مزدلفہ کے میدان میں حاجیوں کا اجتماع میدانِ حشر کے اجتماع کی یاد دلاتا ہے۔ اسی طرح قدم قدم پر حاجی کیلئے سفرِ آخرت کا کوئی نہ کوئی نمونہ موجود ہے۔ جسکو دیکھ کر دل و دماغ کو فکرِ آخرت سے معمور کیا جاتا ہے اور یہی فکرِ آخرت ہی تمام نیک اعمال کی کنجی ہے۔

پانچویں حکمت۔ ماحول کی تبدیلی انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہے وہ جسطرح کے ماحول میں پرورش پاتا ہے، اسی طرح بن جاتا ہے۔ علم النفسیات کا یہ ایک مسلّم مسئلہ ہے کہ انسان میں نقالی اور محاکات کا جذبہ موجود ہے وہ اپنی زندگی کے طور و طریقے اور قول و عمل کا ہر گوشہ اپنے ماحول کے مطابق بناتا رہتا ہے۔ اور جو کچھ وہ اپنے گردو پیش دیکھتا ہے اسی کے موافق اپنی زندگی کا نقشہ بناتا ہے۔ اس لئے اصلاحِ زندگی کے لئے ایک وقت ایسا چاہئے کہ انسان کو فاسد اور بگڑے ہوئے ماحول سے اٹھا کر نیک اور صالح ماحول میں ڈال دیا جائے تاکہ اس صالح ماحول کے نقوش اس کے لوحِ حیات پر کندہ ہو کر اسکی زندگی کو بدل دیں۔ آغازِ حج سے واپسی حج تک ایک ایسا ماحول ہے جو انسانی زندگی کا نقشہ بدل دیتا ہے۔ اور اس تبدیلی احوال کا نام حج مبرور ہے۔ یعنی مقبول حج کی علامت یہ ہے۔ کہ حاجی کی بعد از حج زندگی قبل از حج زندگی سے بہتر ہو۔ معلوم ہوا کہ حج کو تبدیلی ماحول کی وجہ سے اصلاحِ معاشرہ میں بڑا دخل ہے۔

چھٹی حکمت۔ جذبۂ سیاحت کی اصلاح انسان کی فطرت میں سیاحت کا جذبہ موجود ہے جسکو روکنا خلافِ فطرت ہے۔ اس لئے اسلام نے اسکو

روکا نہیں بلکہ ابھارنے کی ترغیب دی اور قرآن نے فسیحوا فی الارض۔ کا اعلان فرما کر اس جذبہ کی حوصلہ افزائی کی، سیاحت کے ذریعہ مختلف ممالک کی گشت لگا کر جسطرح نیک آثار و اطوار اپنی ذات اور واپسی پر اپنے ملک کے افراد میں منتقل کئے جا سکتے ہیں، اسی طرح بد آثار بھی۔ اسلام نے اس فطری جذبہ کے اصلاحی پہلو کو اختیار کیا، کہ علم و جہاد کے علاوہ سیاحت کو حج کی صورت میں متشکل کیا تاکہ حاجی مقبول اور برگزیدہ انسانوں کی جماعت میں شامل ہو کر مقبولان بارگاہ الٰہی کے ان آثار قدیمہ اور شعائر اللہ کے مشاہدے سے بہرہ اندوز ہو جسکی وجہ سے ان کے فکر و عمل کو صلاح و تقویٰ کی طرف موڑ دیا جا سکے اور ان کے نمونہ زندگی سے ملک میں صالح معاشرہ کی تشکیل ہو سکے۔

ساتویں حکمت۔ جذبہ جہاد کی نشو و نما دنیا کارزار عمل اور میدان کشمکش حیات ہے، جو قوم اس جہان رزم و پیکار میں جسقدر زیادہ روح جہاد رکھتی ہو اور زیادہ سے زیادہ سامان جہاد سے آراستہ ہو وہ سربلند کامیاب اور باعزت قوم ہو گی، اور اس سر و سامان سے اگر محروم ہو تو وہ حیوانات کیطرح محکوم و غلام بن کر غیر اقوام کے منشاء کی تکمیل اور ان کی خوش عیشوں کیلئے آلۂ کار ہو کر زندگی گذارتی رہے گی۔ اور شرف انسانی کی بلندی سے گر کر قعر غلامی میں گرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے زیادہ زور جہاد پر دیا، اور" ذروۃ سنامہ الجہاد" کہہ کر اسکو ملت اسلامیہ کی عزت اور سربلندی کا واحد ذریعہ قرار دیا ہے۔ قرآن نے شہید کی موت کو موت کہہ دینے سے منع کیا ہے۔ بلکہ اسکی ظاہری موت کو ایک عظیم الشان حیات کا ذریعہ قرار دیا ایسی حیات جسکی خوشحالیوں کا تصور انسانی شعور کے دائرہ سے خارج ہے۔ حدیث نبوی نے اعلان کیا کہ شہید کو نہ موت کی تکلیف ہو گی اور نہ قبر کا عذاب ——— جہاد کے لئے چونکہ ظاہری سامان حرب و ضرب بھی ضروری ہے جسکی فراہمی کو اس لئے قرآن نے مسلمانوں پر سامان جنگ اور آلات حرب کی تیاری کو فرض قرار دیا ہے۔ "واعدوا لھم ما استطعتم" یعنی جسقدر تمہارا بس چلے تو اسی قدر سامان جنگ مہیا کرو اتنا سامان کہ اگر غیر مسلم اقوام تمہارے خلاف متحدہ محاذ بھی بنالیں تو وہ تمہارے سامان جنگ کی تیاری کو دیکھ کر مرعوب ہوں اور مقابلہ کا حوصلہ نہ کر سکیں۔

"ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم۔ لیکن ظاہری سامان کے علاوہ جہاد کیلئے باطنی روحانی اور اخلاقی ساز و سامان کی بھی ضرورت ہے۔ آلات جنگ کا استعمال انسانی جسم کرتا ہے اور جسم و بدن کی جنگی اعمال کا اصلی محرک روح ہے۔ روح اگر طاقتور ہو تو کم سامان سے بھی بہت کام لیا جا سکتا ہے۔ "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ" یعنی چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر غالب آسکتا ہے، اور اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے روح کی بلندی اور ایمانی طاقت سے اپنے دس گنا بلکہ سو گنا

طاقت کو شکست دی ہے، یہی روحانی و ایمانی طاقت ہے جس کی نشو و نما مسلمانوں کیلئے فتح و کامیابی کی کنجی ہے، اور صرف اسی قوت کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے اس متاع عزیز کی حفاظت بیحد ضروری ہے۔ حج بیت اللہ میں اسی ایمانی اور اخلاقی قوت کی نشو و نما اور بالیدگی کا پورا سامان موجود ہے، بشرطیکہ حاجی ان تصورات کے تحت اعمال حج کو انجام دے۔

حج اور جہاد جہاد میں اکثر بری و بحری تکلیفوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے، راحت و آرام و سامان عیش کو قربان کرنا پڑتا ہے، محبوب حقیقی کی رضا جوئی کے واحد مقصد کیطرف متوجہ ہونا پڑتا ہے، ان تمام چیزوں کی مشق کا سامان حج میں موجود ہے ۔۔۔ رمی جمار یعنی سنگریزوں کے مارنے میں دشمن ملت سے نفرت و عداوت کا مظاہرہ ہے جس سے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور آخری بات جو دم تمتع و قران کی شکل میں قربانی ہے، اسمیں خلیل علیہ السلام کا نمونہ موجود ہے، جسکے ساتھ ملت اسلامیہ کی وابستگی ہے۔ ملۃ ابیکم ابراہیم جس سے حاجی کے دل و دماغ میں یہ تصور جم جاتا ہے کہ جب اللہ کا ایک عظیم پیغمبر خدا کے حکم کی تعمیل میں جو اسکو خواب میں دیا گیا تھا، نہ بیداری میں اپنے عظیم فرزند کی قربانی کیلئے تیار ہوا تھا، جو تکمیل امتحان کے بعد حیوانی قربانی میں تبدیل ہوا لیکن قربانی خلیل علیہ السلام کا یہ عمل خدا کو ایسا پسند آیا کہ تا قیامت اسکو ملت اسلامیہ کیلئے باقی رکھا، کہ وہ اس سے درس قربانی حاصل کرے اور اگر جہاد میں خالق کائنات انسانی قربانی کا حکم دے تو بیدریغ جان قربان کر دینے کیلئے آمادہ ہو سکے۔

بلکہ، ہم ندیم مصرعہ نظیری را کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلہ ما نیست

درحقیقت اسی موت میں حیات جاودانی کا سامان مضمر ہے۔

جو دیکھی ہسٹری اس بات پر کامل یقیں آیا جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

ان سطور بالا سے مستشرقین کی ہرزہ گوئی کی حقیقت واضح ہو گئی جو وہ حج کے خلاف کرتے ہیں۔

اس مقام پر پہنچ کر یہ حقیقت بے نقاب ہوئی کہ علم و مذہب کی جتنی نزاع ہے، فی الحقیقت علم اور مذہب کی نہیں مدعیان علم کی خامکاریوں اور مدعیان مذہب کی ظاہر پرستیوں کی ہے حقیقی علم اور حقیقی مذہب اگرچہ الگ الگ راستوں سے چلتے ہیں مگر بالآخر ایک ہی منزل پر پہنچ جاتے ہیں علم محسوسات سے سروکار رکھتا ہے مذہب ماوراء محسوسات کی خبر دیتا ہے۔ دونوں میں دائروں کا تعدد ہوا مگر تعارض نہ ہوا، جو کچھ محسوسات سے ماوراء ہیں ہم اسے محسوسات سے معارض سمجھ بیٹھتے ہیں اور یہاں سے ہماری فکر کج اندیش کی ساری درماندگیاں شروع ہو جاتی ہیں ورنہ حقیقی مذہب اور صحیح علم میں کبھی تعارض نہیں ہوتا۔

■■■

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب احیاء العلوم۔ ماموں کانجن۔ ضلع لائل پور
رکن اعزازی ادارۃ الحق

۵۔ حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

قرآن حکیم کے بعد شریعت اسلامیہ کا مدار حدیث نبوی پر ہے، اس لئے کہ احادیث مقبولہ اسی مشکوٰۃ نبوت سے صادر ہوئی ہیں، جس پر قرآن کریم کا نزول ہوا اور ان میں قرآن کریم کی تشریح و تفسیر اس شرح و بسط سے فرمادی گئی ہے کہ اس سے الحاد و تحریف کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تمام امت مسلمہ نے حجیت حدیث کو ضروریات دین میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ شرح تحریر میں ہے:

"سنت خواہ مفید فرض ہو یا واجب یا فرض و واجب کے علاوہ کیلئے مفید ہو اس کا دینی حجت ہونا دین اسلام کا ایسا بدیہی اور واضح مسئلہ ہے کہ جس کو ذرا بھی عقل و تمیز ہوگی، عورتوں اور بچوں تک بھی، وہ جانتا ہے کہ جس کی نبوت ثابت ہو وہ نبی برحق اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو خبر بھی دے گا وہ اس میں قطعاً صادق ہوگا، اور اسکی پیروی لازم ہوگی۔" (تفسیر شرح تحریر جلد ۳ ص ۲۲)

اور دوسری طرف ہر دور کے ملاحدہ نے اپنے اپنے رنگ میں احادیث نبویہ کو نشانہ بنایا، اور ان میں طرح طرح سے کیڑے نکالنے کی کوششیں کیں، یہ سلسلہ خوارج سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔ ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے ارباب فکر و نظر نے اپنے "خلق اسلام" کے نقطۂ نظر سے تمام احادیث نبویہ کو یکسر زمانۂ مابعد کی پیداوار، اور حضرات محدثین کی "تاریخ سازی" قرار دے کر زمانۂ گذشتہ

کے تمام ملاحدہ کا قرض ادا کر دیا، ستم بالائے ستم یہ کہ ان کے نظریۂ "خلق اسلام" کی زد سے نہ احادیث متواترہ کو بچ نکلنے کی گنجائش دی گئی نہ احادیث مشہورہ کو، نہ صحیحین کی احادیث کو معاف کیا گیا، نہ دیگر احادیث صحیحہ کو قابل معافی تصور کیا گیا، احادیث نبوت کے بارے میں ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے طوفانی طومار کے کچھ اجزاء نقل کرنے سے پہلے لسان الحکمت شاہ ولی اللہ الدہلوی کا ایک حکیمانہ فقرہ نقل کر دینا ضروری ہوگا، تاکہ اس ادارہ کے معاملہ میں ناظرین کو صحیح فیصلہ کا موقع مل سکے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع	صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں علمائے حدیث
ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع، وانہما	کا اتفاق ہے کہ ان دونوں میں جسقدر متصل مرفوع
متواتران الی مصنفیہما وانہ کل من یہون	حدیثیں ہیں وہ قطعاً صحیح ہیں اور یہ کہ یہ دونوں
امرہما فہو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین	کتابیں اپنے مصنفوں تک متواتر ہیں، اور یہ
(حجۃ اللہ ص ۱۳۴ ج ۱ میریہ)	کہ جو شخص ان کے مرتبہ کو بے وزن کرنا چاہتا

ہے، وہ مبتدع ہے، اہل ایمان کے راستہ سے ہٹ کر کسی دوسرے راستہ پر چل رہا ہے"

اب حدیث نبوی کے بارے میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کا نقطۂ فکر ملاحظہ فرمائیے، یہ طویل عبارتوں کا خلاصہ ہوگا ——

۱۔ دوسری صدی تک | (الف) دوسری صدی کی تصانیف کا سلسلۂ روایت صحابہ، تابعین اور تبع تابعین پر ختم ہو جاتا تھا، لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا حدیث کی تحریک نے داخلی تقاضے سے مجبور ہو کر سلسلۂ روایت پیچھے ہٹاتے ہٹاتے ذات رسالتمآب تک پہنچا دیا" (جلد ۱ ش ۱ ص ۱۵)

(ب) "دوسری صدی کے وسط تک زمانۂ مابعد کے پیدا کردہ اکثر مذہبی عقاید اور فقہی آراء آنحضرت کی طرف منسوب کئے جانے لگے تھے" (حوالہ بالا)

۲۔ اخبار احاد | امام ابو یوسفؒ ایسی تمام حدیثوں کو رد کر دیتے تھے جنہیں بعد میں اخبار احاد سے موسوم کیا گیا" (سبحانک هذا بہتان عظیم) (جلد ۱ ش ۱ ص ۱۶)

۳۔ احادیث میں احتیاط کے باوجود | امام ابو یوسفؒ کی تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود اس زمانہ تک متعدد احادیث کا سلسلہ رسول اللہ صلعم تک ملایا جا چکا تھا۔ مثلاً (اس کے بعد کتاب الآثار کی چار حدیثیں مثالی ذکر کی گئی ہیں۔) (جلد ۱ ش ۱ ص ۱۸)

۴۔ دوسری صدی کے دوران | دوسری صدی کے دوران ذخیرۂ احادیث میں برابر اضافہ ہوتا رہا (جلد ۱ ش ۵ ص ۷)

۵- حدیث کا فطری تقاضا | تحریک حدیث جس کا ایک اہم سنگ میل فقہ اور فقہی احادیث کے دائرہ میں امام شافعیؒ کی علمی جدوجہد تھی، کی فطرت متقاضی تھی، کہ حدیث میں مسلسل توسیع ہوتی رہے، اور نئے حالات کے پیدا کردہ تازہ مسائل سے نمٹنے کے لئے نئی احادیث منظر عام پر آتی جائیں۔" (گویا جب بھی کوئی مسئلہ پیش آئے اس کے لئے کوئی حدیث گھڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی جائے۔ یہ فریضہ تھا جو امام شافعیؒ اور دوسرے محدثین انجام دے رہے تھے۔ معاذ اللہ۔ (فکر و نظر جلد ۱ ش ۵ ص ۱۳)

۶- بہتان عظیم | قدماء محدثین خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اخلاقی امثال، پند و نصائح اور جوامع الکلم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا۔ خواہ یہ انتساب درست ہو یا نادرست، البتہ فقہ و عقاید کی احادیث کے متعلق سلسلۂ روایت کا پوری صحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ اب قابل غور یہ ہے۔ کہ ترک صحت کے اصول کو کسی سطح پر بھی تسلیم کر لیا جائے، تو اسے کسی خاص دائرہ تک محدود رکھنا دشوار بلکہ ناممکن ہوگا۔" (حاصل یہ کہ اخلاقی امثال، پند و نصائح اور جوامع الکلم کی احادیث تو معاذ اللہ خود محدثین کے اقرار سے مشکوک ہیں، اور فقہ و عقاید کی احادیث" قابل غور" تکنیک سے مشکوک ہو گئیں۔ لہٰذا تمام احادیث کو زمانۂ مابعد کی مخلوق فرض کرنا چاہیئے (جلد ۱ ش ۵ ص ۱۳)

۷- سلسلۂ سند کا اضافہ | احادیث کا بیشتر حصہ درحقیقت قرون اولیٰ کی ذاتی اجتہادی انفرادی آراء "سنت جاریہ" ہیں۔ جن کو حدیث کے آئینے میں عکس پذیر کر دیا گیا، اور اس میں راویوں کے سلسلۂ اسناد کا اضافہ ہو گیا۔ (یعنی جسطرح معاذ اللہ احادیث کی فرضی نسبت ذات محمدی کی طرف کر دی جاتی تھی۔ اسی طرح راویوں کا فرضی سلسلۂ سند بھی اس پر آویزاں کر دیا جاتا تھا۔)
(جلد ۱ ش ۱ ص ۱۴)

۸- مؤید حدیث احادیث | سب سے پہلی حدیث جو حدیث کی تائید میں ملتی ہے۔ امام شافعیؒ نے روایت کی ہے، یعنی" نضر اللہ عبداً سمع مقالتی" الحدیث ایک، اور روایت امام شافعیؒ نے روایت کی ہے۔" لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ" آخر میں ایک اور حدیث آتی ہے۔" حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج وحدثوا عنی ولا تکذبوا علی" یہ تینوں حدیثیں آنحضرت کے ارشاد کی حیثیت سے قابل قبول نہیں، بلکہ انتہائی مشکوک قرار پاتی ہیں۔" (اس لئے فرض کرنا چاہیئے کہ یہ امام شافعیؒ نے یا ان کے کسی استاذ نے بنائی ہوں گی۔) (جلد ۱ ش ۵ ص ۱۶ تا ۱۹)

۹- پیشگوئی والی احادیث | یہاں ہم ایک عام اصول پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ جس حدیث میں آئندہ واقعات کے بارے صراحۃً یا ضمناً پیشگوئی کی گئی ہو۔ یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا سلسلۂ روایت رسول اللہ صلعم تک منتہی ہوتا ہے۔ بلکہ یہ سمجھا جائے گا۔ کہ وہ زمانہ مابعد میں ظہور پذیر ہوتی جب کہ اس حدیث میں ذکر کردہ واقعہ پیش آیا۔ (جلد ۱ ش ۵ ص ۱۵-۱۶)

۱۰- تاریخ سازی | حدیث کا کام تاریخ نویسی نہیں بلکہ "تاریخ سازی" بن گیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں معاصرانہ واقعات کو بشکل حدیث ماضی کی طرف پھیر دیا جانے لگا " (جلد ۱ ش ۵ ص ۱۷)

۱۱- حضورؐ کی تاریخی بصیرت اور پیشگوئی والی احادیث میں کوئی میل نہیں۔ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملہمانہ بصیرت اور منزل من اللہ اخلاقی نظام کو ترقی دینے اور کامیاب بنانے والی عمیق تاریخی بصیرت برحق، لیکن اس عظیم تاریخی بصیرت اور اس سے پیدا ہونے والی پُرعزم قوت فیصلہ میں اور اس قسم کی پیشگوئی میں جو مثلاً مسیلمہ کذاب کے خروج یا معتزلہ، خوارج اور شیعہ فرقوں کے ظہور سے متعلق حدیثوں میں پائی جاتی ہے۔ زمین وآسمان کا فرق ہے " (بالکل یہی فرق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ادارۂ تحقیقات کے تاریخی بصیرت کے تصوّر میں۔ اور اسلام کے پیش کردہ تصورِ نبوت میں بھی پایا جاتا ہے۔) (جلد ۱ ش ۵ ص ۱۷)

۱۲- ضمنی پیش گوئی والی احادیث | لیکن پیش گوئی والی احادیث سے مراد صرف وہ احادیث نہیں جن میں صراحتاً کوئی پیشین گوئی ہو، بلکہ وہ حدیثیں بھی مراد ہیں جن میں بالواسطہ یا ضمناً کوئی پیشین گوئی کی گئی ہو۔ مثلاً یہ حدیث " القدریۃ مجوس ہذہ الامۃ "۔ (حوالہ بالا)

۱۳- احادیث اجماع | امام شافعیؒ نے اجماع کے اصل شرعی ہونے پر دو حدیثیں پیش کی ہیں " ثلاث لا یغل علیہن قلب مسلم " الحدیث اور اکرموا اصحابی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم" والی حدیث امام شافعیؒ کے پیشرو تصورِ اجماع سے خالی نہ تھے۔ لیکن ان کے زمانہ تک یہ بالکل فطری طور پر نشو ونما پاتا رہا۔ اور اس پر حجت لانے کی کوشش اس مرحلہ پر عمل میں نہیں آئی تھی۔ حتیٰ کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اجماع کے زبردست حامی ہونے کے باوجود کوئی حدیث نبوی پیش نہیں کرتے متقدمین فقہاء کا اجماع پر اصرار کے باوجود کوئی حدیث پیش نہ کرنا حدیث کی نوعیت اور اسکی نشو ونما پر ایک معنی خیز تبصرہ ہے۔ (اس لئے فرض کرنا چاہئے کہ احادیث اجماع بھی معاذ اللہ امام شافعیؒ نے تصنیف کیں، یا ان کے کسی معاصر نے) (فکر ونظر جلد ۱ ش ۵ ص ۱۹ تا ۲۱)

۱۴- امام شافعیؒ کے بعد | امام شافعیؒ نے اجماع حمایت میں فرمایا تھا " ولعلم ان عامتہم لا تجتمع علی خلاف لسنۃ رسول اللہ ولا علی خطاء ان شاء اللہ " امام شافعیؒ کے بعد جب حدیث کی اشاعت

اور زیادہ کثرت سے ہونے لگی تو ان کا یہ بیان ایک حدیث بن گیا اور مسند امام احمد بن حنبل، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں لفظی ردو بدل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو گیا ۔"
(فکر و نظر جلد ۱ ش ۵ ص ۲۲)

۱۵۔ بعد کی صدیوں میں | "ان ہی بعد کی صدیوں میں "ید اللہ علے الجماعۃ" والی حدیث بہت مشہور ہوئی، اس تصور کو بعض دوسری حدیثوں میں بھی ظاہر کیا گیا ہے ۔" (الغرض اس مضمون کی تمام احادیث امام شافعیؒ اور ان کے بعد کے اکابر محدثین کی بناوٹ ہیں۔ بدیں عقل و دانش بباید گریست
(فکر و نظر جلد ۱ ش ۵ ص ۲۳)

۱۶۔ لغت اور حدیث کے مجموعے | لغت کی نپی تلی تعریف اگر احادیث کے مجموعوں میں راہ نہ پاتی تو مقام حیرت تھا۔ (فکر و نظر جلد ۱ ش ۵ ص ۷۷)

۱۷۔ لغت کی جنتری اور حدیث کے بل | لغت کی جنتری کے ذریعہ سے غیر قطعیت کے بل نکل جانے کے بعد سیوطی کی جامع صغیر میں "کل قرض جر منفعۃ فہو ربا" کی صورت میں یہ حدیث موجود ہے، اور اس عرصے میں عمل ارتقاء نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا، اور حضرت علی سے مروی ہو کر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بن گیا۔ (جلد ۱ ش ۵ ص ۷۸)

۱۸۔ فقہی احادیث اور ارتقائی عمل | فقہی احادیث میں ارتقائی عمل ان کے استناد کو مشکوک اور مشتبہ بنا دیا ہے۔ (فکر و نظر جلد ۱ ش ۵ ص ۸۷)

۱۹۔ احادیث الفتن | "حضرت عثمانؓ کے بعد کی سیاسی جنگوں اور کلامی بحثوں کے نتیجہ میں اس قسم کی احادیث کا نشو و نما ہوا جن میں پیشگوئی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس قسم کی احادیث کو احادیث الفتن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔" (فکر و نظر جلد ۱ ش ۶ ص ۸) (ان فرضی احادیث الفتن کو بنانے والے اس وقت کے صحابہ یا اکابر تابعین ہی ہو سکتے ہیں۔ ناقل)

۲۰۔ حادی حدیثیں | ان احادیث کی وجہ جواز کیلئے ایسی احادیث کی اشاعت کی گئی جو اس نوع کی تمام احادیث پر حادی ہیں۔ مثلاً حضرت حذیفہ کی یہ متفق علیہ روایت قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً ما ترک شیئاً الحدیث۔ (فکر و نظر جلد ۱ ش ۶ ص ۸)

۲۱۔ مثالی نمونہ | حدیث فتن کا ایک مثالی نمونہ بخاری و مسلم کی حسب ذیل روایت جو ان ہی حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، کان الناس یسئلون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخیر وکنت اسئلہ عن الشر الحدیث۔ ان دونوں حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعی ارشادات کی حیثیت

سے تسلیم کرنا ممکن نہیں"۔ (فکرونظر جلد ا ش ۶ ص ۹ تا ۱۰)

۲۲۔ احادیث اجماع | اجماع (تمسک بالجماعت) سے متعلق احادیث بھی اسی زمانہ کے شدید سیاسی تقاضے پر مبنی ہیں"۔ (فکرونظر جلد ا ش ۵ ص ۱۱)

۲۳۔ خارجیت کا توڑ | خارجیت کی مخالف احادیث کی نمائندہ حدیث، جو خارجیوں کی باغیانہ فطرت کے بالمقابل مکمل انفعالیت سکون پسندی اور دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم دیتی ہے۔ صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے: من ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستکون فتن القاعد فیہا خیر من القائم الحدیث۔ یہ حدیث خارجیوں کی فعالیت اور سیاسی امور سے ان کی دلچسپی کا توڑ کرتی ہے"۔ (یہ بھی صحابہ یا اکابر تابعین میں سے کسی نے بنائی ہوگی۔ کیونکہ خارجی فتنہ کا زور اسی زمانہ میں تھا۔) (حوالہ بالا ص ۱۲)

۲۴۔ عقیدۂ اجماع باطل | بعض اوقات ایسی احادیث جن میں دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی تعلیم دی گئی ہے عقیدۂ اجماع کو باطل کر دیتی ہیں۔ مثلاً ترمذی شریف میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کی صحیح حدیث کیف بک اذا بقیت فی حثالۃ من الناس"۔ (حوالہ بالا)

۲۵۔ خارجی الاصل | لیکن سنیوں کی تمام احادیث یکسر مخالف خوارج نہیں۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت کردہ ایک حدیث جس میں ایک ایسے سیاسی عقیدہ کا نفوذ پایا جاتا ہے۔ یہ بلاشبہ خارجی الاصل ہے۔ اوصیکم بتقوی اللہ الحدیث"۔ (جلد ا ش ۶ ص ۱۳)

۲۶۔ مرجیۃ عقاید کا بہترین نمونہ | صحیحین کی مشہور و معروف حدیث "وان زنی وان سرق"۔ جو خوارج کے عقیدۂ تکفیر بالکبائر کے مقابلہ میں بنائی گئی، مرجیۂ عقائد کا بہترین نمونہ ہے۔ (حوالہ بالا ص ۱۴،۱۵)

۲۷۔ اعتدال پسندانہ خیال | مندرجہ بالا حدیث سے اس بات کا قوی احتمال تھا کہ بعض طبائع کی اخلاقی حس کو دھچکا لگتا اسکی جزوی ناگواری کو رفع کرنے کے لئے ابوداؤد اور ترمذی کی ایک حدیث میں نسبتاً اعتدال پسندانہ خیال پیش کیا گیا۔ عن ابی ہریرۃ۔ اذا زنی العبد خرج منہ الایمان الحدیث، صحیحین میں اس مضمون کی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بہ الفاظ ذیل مروی ہے۔ لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن الحدیث۔ (جلد ا ش ۶ ص ۱۷)

۲۸۔ اعتزال کی مخالف احادیث | معتزلہ چونکہ خوارج کے وارث تھے، نیز مذہبی ذہنیت کیلئے "معتزلی عقلیت" انسانیت پرستی کی بھدی شکل تھی۔ غالباً ان ہی دونوں خطرات کے پیش نظر کثیر تعداد میں ایسی احادیث کی تعلیم دی جانے لگی جن میں ارادہ، نیت اور عمل تینوں سطحوں پر جبر کی تعلیم دی گئی،

جبر کی تعلیم پر مشتمل حدیث کی نسبتہً ابتدائی صورت کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ اس نوع کی احادیث میں چند در چند اضافہ ہوتا گیا۔ مثلاً مسند احمد اور ابوداؤد کی یہ حدیث "القدریۃ مجوس ہذہ الامۃ" اس میں فلسفیانہ استدلال کا ایک ایسا پیچیدہ طرز اختیار کیا گیا ہے، جسے ساتویں صدی کے عربوں (صحابہ) کی طرف منسوب کرنا نا درست ہوگا، ایک اور حدیث میں آ... نے فرمایا "لاتجالسوا اہل القدر ولا تفاتحوہم۔ ابوداؤد" (جلد اش ۶ ص ۱۸-۱۹)
مسلم اور بخاری میں ابوہریرۃؓ کی حدیث "ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنیٰ" اس زمرہ میں شامل ہے " (حوالہ بالا ص ۱۹)

۲۹۔ احادیث تقدیر | بہت سی احادیث میں بڑے تعین اور بڑی وضاحت کے ساتھ روحوں کی تخلیق کے وقت بعض کے لئے جنت اور بعض کے لئے دوزخ کی تقدیر، اور بعض احادیث میں انسانی سعادت و شقاوت کے بارے میں خدا کی بے پرواہی کا اعلان کیا گیا ہے۔ مثلاً بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو الصادق المصدوق ان خلق احدکم الحدیث " (جلد اش ۶ ص ۲۰)

۳۰۔ خلاف جبریت | اوپر کی بحث سے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ احادیث صرف جبریت، تقدیر، پر مشتمل ہیں۔ اہل سنت کی بعض احادیث، اگرچہ ان کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ اس مسئلہ پر بالکل مختلف زاویے سے روشنی ڈالتی ہیں۔ مثلاً بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث "کل مولود یولد علی الفطرۃ" یا ترمذی ابن ماجہ اور احمد بن حنبل کی روایت کردہ "ہی من قدر اللہ" والی حدیث یا حضرت عمرؓ کا ارشاد "نعم من قدر اللہ الی قدر اللہ" اس دوسری قسم کی حدیث کے باوجود "جو جبر کی احادیث کے بالمقابل ایک توازن پیدا کرنے کی کوشش سے عبارت تھی " جبری احادیث سے اہل سنت بہت زیادہ متاثر ہوتے۔ (یعنی عقیدہ تقدیر کے قائل رہے۔) (جلد اش ۶ ص ۲۲)

۳۱۔ احادیث تصوف | تصوف کی موافقت اور مخالفت میں روایت شدہ احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اہل سنت ایک درمیانی راہ اختیار کرنے اور انتہا پسندی کے رجحانات کو بڑھنے سے روکنے میں کوشاں تھے۔ (گویا اسی کوشش کے سلسلہ میں یہ احادیث بنائی گئیں۔) (حوالہ بالا)

۳۲۔ صوفی تحریک کا اثر و نفوذ اور اہل سنت کا جذبہ باہمہ | صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں یہ حدیث بھی درج ہے: قیل یا رسول اللہ ای الناس افضل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومن یجاہد فی سبیل اللہ بنفسہ ومالہ الحدیث۔ اس سے اس امر کا نمایاں ثبوت ملتا ہے۔ کہ صوفی تحریک کا اثر و نفوذ کس قدر

بڑھ گیا تھا، اور اہلِ سنت میں باہمہ ہونے کا جذبہ کس حد تک کار فرما تھا" (گویا فرض کرنا چاہئے کہ بخاری کی یہ حدیث صوفی تحریک کے اثر ونفوذ اور اہل سنّت کے جذبۂ باہمہ" کی پیداوار ہے۔)
(فکر ونظر جلد ۱ ش ۶ ص ۲۳)

۳۳۔چھپتی ہوئی مثال | گوشہ نشینی اور ترکِ دنیا کے رجحان کے خلاف احادیث بھی ہمیں ملتی ہیں، جو تاثیری قوت میں پہلی قسم کی احادیث سے کسی طرح کم نہیں، صوفیا کے نظریۂ توکل کی انتہائی تعبیرات کے برعکس کسبِ معاش کی احادیث، اور غالی زہد و تقشف کی مذمت کی احادیث اپنی شہرت کی وجہ سے محتاجِ مثال نہیں۔ (یہ تمام بھی اہل سنت کے جذبۂ اعتدال کی پیداوار ہیں۔) البتہ اس مضمون کی چھپتی ہوئی مثال یہ حدیث ہے "ابہانیۃ ہذہ الامۃ الجہاد فی سبیل اللہ عزوجل ـــــ"
(فکر ونظر جلد ۱ ش ۶ ص ۲۴)

۳۴۔ انمل، بے جوڑ، مصنوعی | نسائی شریف کی یہ حدیث "حبب الی من الدنیا النساء والطیب وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ" اس کے تینوں عناصر الگ الگ سنت نبوی کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن دنیوی مسرت اور دینی عبادت کے دو مختلف النوع اقدار کو ایک ہی سانس میں جس انمل اور بے جوڑ طریقے سے مربوط کیا گیا ہے وہ یقیناً ایک مصنوعی ترکیب ہے۔ جسے رسول اللہ صلعم کیطرف ہرگز منسوب نہیں کیا جاسکتا، یقیناً اس سے صوفیا کی غیر پر تکلف روحانیت کو نشانہ بنانا تھا اور بس" (فکر ونظر جلد ۱ ش ۶ ص ۲۴)

۳۵۔ اصولی احادیث | ہم نے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ ان احادیث کی ہیں جنہیں ہم "اصولی" کہہ سکتے ہیں۔ یعنی وہ احادیث جن پر مبادیات دین کی ساری عمارت کی بنیاد قائم ہے۔ اگر اجماع اور حدیث جیسے بنیادی اصولوں کے بارے میں احادیث تاریخی طور پر غیر صحیح ثابت ہو جائیں تو دوسری بیشتر احادیث کی صحت یقیناً معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے" (بلکہ بلفظ صحیح اسلام کی بنیاد اکھڑ جانے سے خود اسلام ہی کا قصر بلند مسمار ہو کر رہ جاتا ہے، اور یہی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے فتنۂ خلق اسلام کا مقصدِ ازلی اور ہدفِ اعلیٰ ہے۔ اور یہی درسِ حریت ادارہ کے منکرین نے اپنے مغربی آقاؤں سے سیکھا ہے۔) (فکر ونظر جلد ۱ ش، ص ۱۰)

(باقی آئندہ)

الحق کے جو مضامین معاصر رسائل و مجلات میں نقل کئے جائیں ان کے ساتھ براہ کرم الحق کا حوالہ ضرور دیں۔ یہ ایک صحافتی تقاضا ہے۔

ہمارے اسلاف اپنے کردار کے آئینہ میں

امام مالکؒ ــــــ احمد بن حنبلؒ

مجھ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پیش کر دو تاکہ میں اس کے مطابق کہوں۔ (احمد بن حنبل)

اہل حق کی آواز ــــــ اقتدار کے ایوانوں میں

از مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی

دل بیٹھے جا رہے ہیں۔ اہل دل سہمے جا رہے ہیں۔ کہ آج مدینہ کے دارالامارۃ میں امام دارالہجرۃ حضرت مالک کو کوڑے لگائے جا رہے ہیں ــــ امام کا فتویٰ ہے کہ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ منصور نے جبراً بیعت لی ہے۔ اور جبر کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر کسی سے جبراً طلاق دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی[1]

منصور کے عمال چاہتے ہیں کہ امام طلاق جبری کے عدم اعتبار کا فتویٰ نہ دیں کہ مبادا لوگ بیعت جبری کا انکار نہ کر بیٹھیں۔ مگر یہ ممکن کیسے تھا امام کے نزدیک مسئلہ یوں ہی ثابت تھا وہ اس کے خلاف کیسے فتویٰ دیتے۔؟ حکم ہوا کہ ستر کوڑے لگائے جائیں ــــ

اللہ اللہ کیسا عبرت خیز سماں ہے وہ مالک بن انس جو مدینہ کی گلیوں میں کبھی گھوڑے اور خچر پر اس لئے سوار نہیں ہوئے کہ جو سرزمین قدوم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مشرف ہوئی ہے اس کو میں جانور کے سموں سے کیسے روندوں۔؟ آج انہیں کے جسم نازک پر درّے پڑ رہے ہیں۔ تمام پیٹھ خون آلود ہوگئی ہے۔ اور دونوں ہاتھوں کے مونڈھے اتر گئے ہیں۔ حکم ہوا کہ اونٹ پر بٹھا کر ان کی تشہیر کرو۔ امام مالک کی مدینہ میں تشہیر ہو رہی تھی (یعنی مجرموں کی طرح باندھ کر ان کو مدینہ میں گھمایا جا رہا تھا۔) اور ان کی زبان حقیقت ترجمان سے مسلسل یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے:

من عرفنی فقد عرفنی ومن لایعرفنی	جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا
فانا مالک بن انس اقول طلاق المکرہ	ہے وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں فتویٰ
لیس بشئی۔	دیتا ہوں کہ طلاق جبری کچھ نہیں ہے۔

ــــــ⋅○⋅ــــــ

بغداد کا ایوان خلافت درباریوں سے بھرا ہے۔ خلیفہ معتصم اپنے پورے شان وشکوہ کے ساتھ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہے۔ امام اہل السنت والجماعۃ حضرت احمد بن حنبل پابہ زنجیر کھڑے ہیں۔ بیڑیاں اتنی بوجھل ہیں کہ پیروں میں حرکت نہیں ہو سکتی ہے۔ خلیفہ اور معتزلی علماء امام سے خلق قرآن کی تائید چاہتے ہیں۔ لیکن امام بہ آواز بلند

[1] فقہ مالکیہ میں طلاق جبری درست نہیں ہے۔ حنفیہ کے یہاں طلاق کرہ واقع ہو جائیگی۔ اس کے لئے حنفیہ کے پاس دلائل ہیں جن کے ذکر کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

فرماتے ہیں :

اعطونی شیئاً من کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ حتیٰ اقول ۔ — مجھ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں سے کچھ دو تاکہ میں اسی کے مطابق کہوں ۔

امام سبانی کی حق پرستی سے خلیفہ کا دل نرم ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ :

اے احمد میرے مسلک کی تائید کرو ، تمہیں اپنا مقرب خاص بناؤں گا پھر تم کو میرے اس قیمتی فرش پر چلنے کا فخر حاصل ہوگا۔

جواب میں پھر ارشاد ہوا :

"مجھ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں سے کچھ دو تاکہ میں اسی کے مطابق کہوں"

حکم ہوا کہ احمد کے پیر میں بیڑیاں ڈال دی جائیں ، درّے لگانے والے بلائے گئے ۔ اور امام کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ، اتمام حجت کے لئے ایک بار زبان کھلتی ہے اور یوں گویا ہوتی ہے کہ :

" اے امیر المومنین قیامت کے دن کو یاد کیجئے جب کہ آپ بھی منتقم حقیقی کے دربار میں کھڑے ہوں گے ۔ ٹھیک اسی طرح کہ اس وقت میں آپ کے سامنے ہوں ، پھر آپ میرے اس خون کا کیا جواب دیں گے ؟"

مخالفین نے دیکھا کہ معتصم ان الفاظ سے متاثر ہو رہا ہے ، چیخ اٹھے کہ اے امیر المومنین یہ شخص گمراہ ہے ۔ (نعوذ باللہ) اس کو ہرگز نہ چھوڑا جائے ۔ انجام کار کوڑے پڑنے شروع ہو گئے ۔ پہلا کوڑا پڑا تو امام نے فرمایا بسم اللہ ۔ دوسرے پر فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ تیسرے پر فرمایا القرآن کلام اللہ غیر مخلوق ۔ (قرآن اللہ کا کلام ہے غیر مخلوق ہے) چوتھے پر ارشاد فرمایا قُل لَن یُّصِیبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۔ (کہ کہہ دیجئے گا کہ ہم کو ہرگز نہ پہنچے گی کوئی چیز (تکلیف یا مصیبت) لیکن وہ جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے ۔)

شدت الم سے امام بیہوش ہو گئے ۔ تھوڑی دیر کے لئے کوڑے روک دیئے گئے ۔ جب ہوش آیا تو خلیفہ نے پھر کہا کہ میری بات مان لیجئے ۔ میں رہا کر دوں ۔ امام نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور پھر کوڑے پڑنا شروع ہو گئے ۔ متعدد بار ایسا ہی ہوا ۔ امام جب بیہوش ہو جاتے تو کوڑے روک دیئے جاتے ، جب ہوش آتا تو خلیفہ پھر درخواست کرتا ۔ مگر حق و استقامت کا یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹلنے کا نام نہ لیتا ۔ جب آخری بار ہوش آیا تو اپنے کو معتصم کی قید و بند سے آزاد پایا ۔ گھر لائے گئے ۔ ستو پیش کیا گیا مگر روزہ سے تھے اس لئے نوش نہیں فرمایا ۔ ظہر کا وقت آ گیا تو تکلیف کی شدت کے باوجود جماعت سے نماز ادا فرمائی ۔

دعوات عبدیت حق | از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

ضبط و ترتیب : ادارۂ الحق

احساسِ گناہ کا فقدان

(خطبۂ جمعۃ المبارک ۶ر جمادی الاول ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (پ ۱)

اور تم خوب جان چکے ہو جنہوں نے کہ تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ بندر ذلیل

محترم بزرگو! امتوں میں گمراہیاں بہت ہیں اور گمراہی کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً بعض قوموں میں شراب نوشی موجود ہے جو بڑا گناہ اور گمراہی ہے۔ قتل مقاتلے، جھگڑے باہمی اختلافات بھی گمراہیاں ہیں۔ بے نمازی، خیانت چوری یہ سب گمراہیاں ہیں۔ مگر ان سب سے بڑی گمراہی جو خدا کے قہر و غضب کو کھینچتی ہے، وہ یہ ہے کہ گناہ کو گناہ نہ سمجھا جائے۔ بعض لوگ اپنے گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں۔ جو شخص اپنے آپ کو مجرم و خطاکار سمجھے۔ لوگوں کی نظروں میں گنہگار ہو اور وہ خود بھی اپنے آپ کو گنہگار کہے۔ اس وقت تک عذاب عمومی اس پر نازل نہیں ہوتا۔ اور ایسے شخص کی اصلاح بھی ممکن ہے۔

ایک طالب علم جو کتاب نہیں سمجھتا مگر اپنے کو ناسمجھ تصور کرتا ہے، تو اس کا عالم بننا ممکن ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو جاہل سمجھ رہا ہے۔ آج بے شوق ہے، محنت نہیں کرتا، لیکن آخر ایک دن فکرمند ہو کر کام پر لگ جائے گا۔ وہ سوچے گا کہ علم کی خاطر گھر اور وطن چھوڑا ہے، اب وقت کیوں ضائع کردوں، اور پڑھنے لگ جائے گا۔ کیونکہ اس کا اپنے متعلق ناسمجھ ہونے کا عقیدہ ہے۔ مگر جو شخص خود کو سب سے اچھا اور سمجھدار گمان کرتا ہو تو اس کا عالم بننا ناممکن ہے اور اسکی اصلاح مشکل ہے ؎

ہر کس کہ نداند و بداند کہ بداند   در جہل مرکب ابدالدہر بماند

ایسا ہی گنہگار کا حال ہے، وقت گزرا، نماز نہ پڑھی، مگر ندامت محسوس کی تو آخر ایک نہ ایک

دن پڑھنے لگے گا۔ تو ایسے شخص کی اصلاح کسی نہ کسی وقت ممکن ہے، کیونکہ وہ خدا کے سامنے رو کر تائب ہو جائے گا، مگر جو آدمی سر سے پاؤں تک گناہوں میں غرق ہو، مگر اپنے کو گنہگار ہی نہ سمجھے، ہفتہ، مہینہ، سال، جمعہ، عید گزر جائے، رمضان آئے اور گزر سے مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرنے کا خیال تک نہ آئے اور نہ ترک صلوٰۃ پر اُسے ندامت ہو، ایسے شخص کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے۔؟ اب تو وہ حالت ہے جسکی طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی حدیث میں اشارہ فرمایا:

اذا رایتَ شحًا مطاعًا وھوًی متبعًا واعجاب کل ذی رای برایہ۔ الخ (او کما قال)

ترجمہ:۔ کہ بخیل کی پیروی اور خواہشات کی تابعداری اور ہر شخص کو اپنی رائے پر گھمنڈ پیدا ہو۔ تو ایسی صورت میں عوام کی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔ اپنے نفس کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔

آجکل لوگ بخل سے کام لیتے ہیں۔ اور ناجائز بچت کرتے ہیں۔ جب یہ نظریہ ہو کہ بچت ہو تو کمال اس میں ہے کہ ہر چیز میں جائز بچت کی جائے، حج، زکوٰۃ، عشر، صدقہ فطر جو فرض ہیں، ان کی طرف بھی توجہ دی جائے۔ بچت کے لئے حج، زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی سے گریز کرنا، مخلوق کی ہمدردی اور خدا کی راہ میں بخل سے کام لینا، اور ناجائز طریقہ سے مال جمع کر کے فخر کرنا ٹھیک نہیں۔

ھوًی متبعًا ـــــ دل نے چاہا تو سینما گیا، میلہ میں شریک ہوا۔ چاہا تو جھوٹ بولا۔ گویا جو خواہش پیدا ہو، اسے پورا کرے اور خود کو حق پر سمجھنے لگے، خواہش کی اتباع اور پیروی میں کوشاں ہو۔ ایسے وقت میں اصلاح مشکل ہو جاتی ہے ـــــ تو اپنے آپ کو سنبھالے رکھو۔ ہمارے جد امجد حضرت آدم نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو پہلے اللہ تعالیٰ نے جنت میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلے سے ان کو زمین کا خلیفہ بنانا مقدر تھا۔ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ۔ (بیشک میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں) کہ وہ اس دنیا پر انتظام کو سنبھالے۔ اس کی اولاد میں سے کوئی زمینداری کرتا ہے کوئی باغبانی، کوئی تجارت کرتا ہے۔ اور کوئی صنعت اور کاریگری کر رہا ہے ـــــ اللہ کو منظور تھا کہ یہ نظام آدمؑ اور ان کی اولاد کے ہاتھوں میں ہو۔ یہاں بھی حکومت کی طرف سے زرعی کالج قائم ہیں، جن میں ہر فصل کی خاصیت اور اس کے محفوظ رکھنے اور بڑھانے کے طریقے بتلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو جنت میں تمام چیزوں کی تعلیم دلائی۔ جنت کے مکانات اور سب چیزوں کا معائنہ کرا دیا تاکہ زمین کا انتظام اسی طرز سے کرے ـــــ ان کے لئے جنت زرعی کالج تھا۔ خدا نے اسباب کا ایک سلسلہ قائم رکھا ہے۔ درحقیقت تو ایک پتہ بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر نہیں ہلتا۔ مگر اسباب و مسببات کے درمیان ایک ربط اور تعلق قائم رکھا ہے۔ خداوند تعالیٰ آدمؑ کو بلا وجہ بھی جنت سے نکال سکتے تھے، کیونکہ

وہ مختار مطلق ہے۔ مگر ابتداء سے ایک سلسلہ اسباب کا بنایا کہ "شجرہ" (درخت) سے کھانے کی ممانعت کر دی۔ آدم علیہ السلام کی قسمت اور تقدیر میں تھا، کھایا تو زمین پر بھیجے گئے۔ آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو اللہ کے دربار میں روئے اور گڑگڑائے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین۔ اے خدا ہم نے اپنے اوپر زیادتی کی اگر تو ہم پر رحم نہ کرے تو خسارہ میں پڑ جائیں گے ــــ یہ نہ کہا کہ قسمت اور تقدیر میں ایسا تھا تو ایسا کیا۔ اب مجھ سے مؤاخذہ اور باز پرس کیوں کی جاتی ہے۔ بلکہ اپنے عجز اور قصور کا اقرار و اعتراف فرمایا۔ اس کے مقابلہ میں ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے مجادلہ اور مخاصمت شروع کی، حجت بازی کرنے لگا۔ تو سب سے بڑا ملعون اور مردود ٹھہرایا گیا۔ اس سے قبل اگرچہ شیطان فرشتوں کی جماعت میں شامل تھا اور کئی لاکھ سال اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مگر جب خدا تعالیٰ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی تو گمراہ اور مردود ہوا۔ مگر جب خدا نے تعمیل حکم نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے اپنی گمراہی کے لئے تاویل شروع کی، اعتراف عجز و قصور نہ کیا، بلکہ گناہ پر اڑ گیا۔

حضرت موسیٰؑ ایک دن مغموم و متفکر بیٹھے ہوئے تھے کہ قوم کے ہاتھوں بڑی تکلیف اٹھائی، اس سے قبل فرعون کے ہاتھ سے پریشان ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ فرمایا۔ کہ پوتے کی فکر مندی کی وجہ پوچھے۔ ملاقات ہوئی، حضرت موسیٰؑ نے ناز کے انداز میں شکوہ شروع کیا کہ بابا جان آپ دانہ گندم نہ کھاتے تو ہم سب جنت میں آرام کی زندگی گزارتے۔ اب ان تکالیف میں مغموم اور دشمن کے ہاتھوں پریشان رہتے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے کہا۔ اے موسیٰؑ تم اولوالعزم پیغمبر ہو، تمہیں معلوم ہے کہ تخلیق عالم سے ۵۰ ہزار سال قبل تورات جو لوح محفوظ میں لکھی گئی تھی اس میں لکھا تھا کہ آدمؑ دانہ کھا کر جنت سے نکالا جائے گا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا ہاں معلوم ہے پھر کہا اے موسیٰ جو مصیبت اور تکلیف بھی انسان کو پہنچتی ہے۔ اللہ کے اذن اور تقدیر سے پہنچتی ہے۔ ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ۔ عالم بالا میں امور کا مدار اسباب پر نہیں ــــ اطباء، حکماء اور بڑے بڑے ڈاکٹر جو صحت کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں، وہ اسباب کے اختیار کرنے کے باوجود بیمار ہوتے ہیں اور مرتے ہیں ــــ تو حضرت آدمؑ نے اپنے کو تسلی دی اور تقدیر کے سپرد کر دیا۔ مگر خداوند کریم نے جب استفسار فرمایا اور پوچھا کہ دانہ کیوں کھایا تو ان کو یہ جواب نہ دیا کہ میری تقدیر میں آپ نے مقرر کیا تھا، بلکہ اعتراف قصور فرمایا اور گڑگڑانے لگے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش ــــ عذر بدرگاہ خدا آورد

یہاں تک کہ حضور اقدس کا واسطہ پیش کرتے ہیں کہ یا اللہ ان کے واسطے سے میری بخشش فرما۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معذرت خواہ ہوئے، وجہ اور علت پیش نہ کی، اللہ تعالیٰ بندوں سے یہی چیز مانگتے ہیں۔ گناہ بندوں سے صادر ہوتا ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ سب غیر معصوم ہیں۔ لہٰذا خود کو معصوم سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ گناہ بھی کرے اور توبہ بھی نہ کرے، روئے بھی نہ، ندامت بھی محسوس نہ کرے تو یہ بہت بڑا جرم اور خطرے کی بات ہے ——— بلکہ آج اگر کسی سے کہیں کہ حرام مال کھایا، تو جواب دیتے ہیں کہ خنزیر کی گردن کے بال تھے وہ اکھاڑ دئے ہیں۔ گویا الٹا مسلمان کو ذلیل کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں ———

جس کا مال کھایا اسے گالی بھی دی ——— جرم پہ جرم ———

حضرت عمرؓ نے خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ بیشک تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت احترام اور عزت کا مالک ہے۔ مگر ایک مسلمان کی عزت و احترام تجھ سے بھی زیادہ ہے ——— ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص ایک مسلمان کو ذلیل کر دے اور دوسری طرف تمام آسمانوں اور زمینوں کو بگاڑ دے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلا جرم بہت زیادہ ہے ——— مسلمانوں کو نقصان دینا، انہیں ہلاک اور برباد کرنا دنیا کی تباہی سے بڑھ کر جرم ہے ——— مسلمانوں کو مارنے والا، ان کا مال ناجائز طریقے سے کھانے والا، ان کی عزت و آبرو لوٹ کر مونچھوں کو تاؤ دینے والا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ———

حضور صلعم کا ارشاد ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ۔ کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے مسلمان محفوظ ہو ——— مگر اب تو ایسا وقت آگیا ہے کہ لوگ گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ابلیس بھی اس گھمنڈ سے تباہ ہوا کہ اس نے گناہ کو گناہ نہ سمجھا، گویا ابلیس نے یہ کہا کہ یہ تیرا حکم حکمت کے خلاف ہے (نعوذ باللہ) ——— خود کو حکمتی و فلسفی کہلانے لگا۔ کہ اس آدمؑ کی سرشت سے میری سرشت اونچی ہے۔ زمین مکدر اور ثقیل ہے۔ اور آگ نورانی اور اوپر جلنے والی ہے، جو میری سرشت ہے ——— گمراہی کو گمراہی نہ سمجھا، ناروا کو روا کہا۔ تو اس کی اصلاح نہ ہو سکی ———

الغرض ناجائز کو جائز کہنا۔ اپنے آپ کو گنہگار نہ سمجھنا سخت گناہ ہے۔ احساس گناہ کے بغیر اصلاح ممکن نہیں ہے۔ اور اصلاح کے بغیر کوئی قوم بھی عذاب سے بچ نہیں سکتی ——— اگر ایک شخص مریض ہے، اُسے مرض کا احساس ہو اور علاج کی طرف متوجہ ہو تو اس کی مرض زائل ہو سکے گی۔ لیکن اگر مریض کو مرض کا خیال بھی نہ آئے تو بالآخر یہ مرض اُسے ختم کر کے چھوڑے گی۔

اللہ پاک نے اس آیت مذکورہ میں اس طرف اشارہ کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک گاؤں تھا۔ اس کے باشندوں کو خدا نے ایک حکم دیا کہ فلاں دن عبادت کیلئے فارغ کر دو۔ جس طرح مسلمانوں کیلئے یہ حکم ہے

کہ جمعہ کے دن اذان جمعہ کے بعد سے نماز جمعہ تک دنیا کے سارے کام حرام ہیں۔ سونا، کھانا، پینا سب ناجائز ہے۔ البتہ غسل کرنا، کپڑے بدلنا، وضو کرنا یعنی نماز کی تیاری کے مشاغل ادا کرنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مشاغل تا فراغ از نماز جائز نہیں۔

دوسری قوموں پر تمام دن کیلئے یہ مشاغل ممنوع تھے۔ صبح سے شام تک، جیسے اتوار انگریزوں کیلئے اور ہفتہ یہودیوں کیلئے کہ وہ سارا دن عبادت میں گزاریں ــــ

تو ــــ یہ لوگ سمندر کے کنارے ایک شہر کے باشندے تھے۔ ان کا محبوب مشغلہ مچھلی کا شکار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امتحاناً اس دن شکار سے بھی انہیں منع کر دیا ــــ مگر اللہ کی شان کہ اس دن مچھلیوں کے غول کے غول سمٹ کر سمندر کے کناروں پر آجاتے اور دوسرے دن پانی کی گہرائی میں غائب ہو جاتے۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں اتنی جمع ہو جاتیں کہ ہاتھ سے پکڑی جا سکیں۔ ادھر خدا کے حکم کی مخالفت، ادھر ان کا شوقِ شکار، عجیب آزمائش میں آگئے ــــ چنانچہ شیطان نے انہیں ایک سبق سکھلایا وہ تالاب بنا کر نالے کے ذریعے اس میں پانی لے آتے ــــ ہفتہ کے دن بند کھول دیتے، مچھلیاں بھی تالاب میں آجاتیں۔ پھر بند باندھ دیتے اور اتوار کے دن مچھلیوں کو تالاب سے نکال لیتے اور بعض جمعہ کے دن جال ڈال کر اتوار کو اٹھا لیتے، کوئی پوچھتا تو کہتے کہ ہم نے تو جمعہ اور اتوار کو شکار کیا ہے۔ تالاب والے بھی کہتے کہ تالاب میں مچھلیاں خود آئی ہیں، ہم نے تو صرف بند باندھا ہے ــــ خدا کا حکم توڑنے کیلئے یہ تدبیریں بنائیں۔ نیک لوگوں نے نصیحت کی کہ خدا سے دھوکہ نہیں چلتا، ایسا مت کرو مگر وہ منع نہ ہوئے، خدا تعالیٰ کا قہر جوش میں آیا اور وہ لوگ بندروں کی شکل میں مسخ ہوئے خدا نے ان کو تین دن تک زندہ رکھ کر پھر ہلاک کیا۔ ــــ ہمیں چاہیئے کہ تدابیر اور حیلوں کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی نہ کریں ــــ اپنے آپ کو مجرم سمجھیں اور اپنے جرائم پر تائب و نادم ہوں ــــ

اللہ تعالیٰ ہمیں گناہ کو گناہ سمجھنے اور توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔ اور ہمیں مغفرۃ تامہ نصیب ہو۔

واردین | یکم رمضان المبارک کو یوگوسلاویہ، برطانیہ اور دیگر ممالک میں تبلیغ پر جانے والے ایک تبلیغی وفد میں ضلع سلہٹ موضع پھولباڑی کے حضرت مولانا عبدالمتین صاحب مدظلہ دارالعلوم تشریف لائے جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ دارالعلوم دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے۔ رات کو انہوں نے حضرت شیخ الحدیث صاحب کی مسجد میں تقویٰ و احسان پر ایک بصیرت افروز خطاب فرمایا ــــ۔

یکم شوال کو شکرانے کے طور پر دو رکعت نماز عید ادا کرنا واجب ہے۔

- عید کے دن غسل کیا جائے، مسواک کی جائے، عمدہ کپڑے جو میسر ہوں پہن کر خوشبو لگائی جائے۔ بالوں کو تیل لگا کر کنگھا کیا جائے۔
- صبح سویرے عیدگاہ جلد پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ اور نماز عید کیلئے جانے سے پیشتر کوئی میٹھی چیز کھائی جائے۔
- عید کی نماز پڑھنے کیلئے ایک راستے سے جائے اور نماز کے بعد دوسرے راستے واپس آئے۔ اور اگر ممکن ہو تو عیدگاہ پیدل چل کر جائے۔
- راستے میں یہ تکبیریں آہستہ آواز میں پڑھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر ولله الحمد۔
- نماز عید سے پہلے کسی جگہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ عید کی نماز کے بعد گھر آکر نوافل پڑھ سکتے ہیں۔
- نماز عید میں صرف چھ تکبیریں زائد ہوتی ہیں۔ پہلی رکعت میں سبحانک اللھم کے بعد تین تکبیریں زائد ہاتھ چھوڑ کر اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تکبیریں زائد ہاتھ چھوڑ کر کہی جاتی ہیں۔ باقی نماز تمام نمازوں کی طرح ہے۔ نماز کے بعد خطبہ سننا واجب ہے۔

نماز عید کے متفرّق مسائل

- عیدین کے خطبوں کی ابتداء تکبیر سے کرنا مستحب ہے۔ پہلے خطبے میں نو مرتبہ تکبیر پڑھی جاتی ہے۔

● عید کے دونوں خطبوں کے درمیان امام کیلئے تھوڑی دیر بیٹھنا مسنون ہے۔
● عید کے دن عورتوں، مریضوں اور مسافروں کیلئے بھی نمازِ عید سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔
● عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا مسنون ہے۔ البتہ معذوروں کیلئے مساجد میں نمازِ عید ادا کرنا جائز ہے۔
● نمازِ عید کا باجماعت ہونا شرط ہے۔ لہٰذا اگر کسی وجہ سے نمازِ عید کی جماعت میں شریک نہیں ہوسکا تو تنہا نمازِ عید ادا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اگر کسی کی نمازِ عید کسی وجہ سے فاسد ہوگئی ہو تو اس کی قضا واجب نہیں ہے۔
● اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے نمازِ عید پہلے دن نہ پڑھی جاسکے تو دوسرے دن نمازِ عید پڑھ لیں۔
● اگر کسی کی واجب زائد تکبیریں چھوٹ گئی ہوں اور وہ امام کے ساتھ قیام میں آکر شریک ہوا تو نیت باندھ لینے کے بعد وہ سب سے پہلے تین زائد تکبیریں کہے، خواہ امام نے قرأت شروع کردی ہو۔
● ایک شخص نماز کی دوسری رکعت کے رکوع میں آکر شریک ہوا ایسے موقع پر اگر اسے یقین ہو کہ تین تکبیریں کہہ کر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوجائے گا تو وہ پہلے کھڑے ہوکر تینوں تکبیریں کہے اس کے بعد رکوع میں شریک ہوجائے۔ اگر ایسے شخص کو رکوع چھوٹ جانے کا خوف ہو تو وہ رکوع میں شریک ہوجائے اور سبحان ربی الاعلیٰ کی بجائے رکوع ہی میں زائد تکبیریں کہے، مگر رکوع میں ہاتھ نہ اٹھائے۔
● اگر تینوں تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام صاحب رکوع سے سر اٹھالیں تو وہ بھی امام کی اقتدا میں کھڑا ہوجائے۔ جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں، وہ معاف ہوں گی۔
● اگر کسی کی ایک رکعت نمازِ عید جاتی رہے تو اسکو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت ادا کرے۔ سب سے پہلے قرأت کرے اس کے بعد زائد تکبیریں کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔
● اگر امام صاحب رکوع سے پہلے زائد تکبیریں کہنا بھول جائیں اور رکوع میں جا[illegible]یں انہیں وہ تکبیریں یاد آئیں تو وہ حالتِ رکوع ہی میں تکبیریں کہہ لیں، قیام کی طرف نہ لوٹیں۔ تاہم اگر غلطی سے امام صاحب کھڑے ہوگئے اور کھڑے ہوکر انہوں نے یہ زائد تکبیریں کہیں تو یہ صورت بھی جائز ہے، نماز فاسد نہیں ہوگی۔
● ہجوم کی کثرت کی وجہ سے عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو معاف ہے۔

- عیدین کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ لیکن اگر امام کسی مجبوری کی وجہ سے کھڑا نہ ہوسکے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز ہے ۔۔۔۔ مستحب یہ ہے کہ جو شخص عید کی نماز پڑھائے وہی خطبہ بھی پڑھے ۔ تاہم اگر امام کو کوئی عذر شرعی پیش آجائے تو دوسرا شخص بھی خطبہ دے سکتا ہے۔
- مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز طویل ہو اور خطبہ مختصر ہو، یعنی پوری نماز سے کم وقت میں خطبہ ختم ہوجائے ۔

صدقۃ الفطر

صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی وزن کے روپے ہوں یا زیور ہوں یا مال دجائداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہو، یہ شرط نہیں کہ اس مال پر سال بھر گذر چکا ہو۔ اگر کسی کے پاس بہت مال ہے، لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسکی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں۔ جس شخص کے پاس مذکورہ مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ادا کرے اور اپنی چھوٹی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی ۔۔۔۔ صدقۃ الفطر ایک آدمی کا بوزن انگریزی پونے دو سیر گندم ہیں۔ یا ان کی قیمت اور جو ساڑھے تین سیر ہے۔ اپنے عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۃ الفطر دیا جائے تو درست ہے۔ اور اگر ایک آدمی کا صدقۃ الفطر کئی محتاجوں کو دیدیں تو بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ جس نے کسی عذر سے یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار مال رکھتا ہو۔ صدقۃ الفطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔ اور مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں لگانا بھی درست نہیں۔

بقیہ : دیارِ عرب

کے قبضہ میں ہے۔ اور جدید کے نصف سے زیادہ حصے پر یہودی قابض ہیں۔ برلن کی طرح اس شہر کو تقسیم کرنے کے لئے بھی بیچ میں دیوار کھڑی کر دی گئی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ہر مسلمان کے دل میں انتقام کا جذبہ بھڑکتا ہے۔ قدس کے مسلمان جو پاکستان کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے ہیں بکثرت اس امید کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ کسی وقت یہودیوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ میں پاکستان ان کا سہارا ثابت ہوگا ۔۔۔۔

(باقی آئندہ)

مولانا سید عبد اللہ کاکاخیل
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ

ہفتہ ۹ر جولائی ۱۹۶۶ء

خلیل الرحمن

مصطفیٰ ابوطہیر صاحب حسب وعدہ آج صبح ہوٹل میں آئے اور ان کی معیت میں ہم مدفن انبیاء خلیل الرحمٰن دیکھنے گئے۔ یہ شہر بیت المقدس کے جنوب مغرب میں بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بقول ابن بطوطہ کے "اس کا رقبہ کم مگر قدر و منزلت زیادہ، مناظر حسین و جمیل اور معنویات بڑی عجیب و غریب ہیں"۔

"اسرائیل کی نام نہاد حکومت قائم ہونے سے قبل خشکی کے رستہ سے جانے والے مسافر خلیل سے بئر سبع ہو کر غزہ اور قاہرہ جایا کرتے تھے۔ خلیل سے غزہ تک کی مسافت جو ساٹھ میل سے زیادہ نہیں ہے، بس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں طے ہو جاتی تھی۔ لیکن آج جبکہ فلسطین کی ان اجزاء پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ خلیل سے غزہ جانے والے مسافر کے لئے سوائے اس کے چارۂ کار نہیں ہے کہ وہ بیت المقدس جاکر قاہرہ کے لئے ہوائی جہاز پر سوار ہو اور پورے دو گھنٹے کی پرواز کے بعد قاہرہ پہنچ کر وہاں سے بذریعہ ریل گاڑی کم از کم آٹھ گھنٹے میں صحرا سینا کو عبور کرکے غزہ پہنچے۔ گویا کہ جو مسافت صرف ربع دینار کی اجرت سے دو گھنٹے میں طے ہوتی تھی وہ آج پچیس ۲۵ دینار اور گیارہ گھنٹے سے کم میں طے ہونا ممکن نہیں۔" [1]

خلیل کے باشندے دینداری، خوش خلقی اور قدامت پسندی میں مشہور ہیں۔ حرم ابراہیمی کے ان پاسبانوں نے اب تک اپنے شہر میں سینما قائم نہیں ہونے دیا ہے۔ گرجے کا اس شہر میں کہیں نام و نشان نہیں، بلکہ جہاں تک میں نے سنا اور بعض معتمد سفرناموں میں پڑھا بھی ہے خلیل دیار اردن میں وہ واحد شہر ہے جہاں سرے سے عیسائی یا کسی دوسرے غیر مسلم باشندے کا وجود ہی نہیں ہے۔

---

[1] ملخص از "مجلۃ العربی" (کویت) اپریل ۱۹۶۴ء

دیسے "مجلة العربی" کے نمائندہ کے حسب تفریح یہاں عیسائی باشندے موجود ہیں، لیکن ان کی تعداد بہت قلیل یعنی صرف ایک سو بیس ۱۲۰ ہے۔

خلیل میں مغربی تہذیب کے آثار کم نظر آتے ہیں۔ عورتیں عموماً پردے دار ہیں، سکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والی اکثر خواتین نے بھی اپنی بود و باش میں آبائی روایات کو بالکلیہ نظر انداز نہیں کیا ہے۔ یہ تعلیم یافتہ خواتین اپنے لئے ایک خاص طرز کا لباس اختیار کر چکی ہیں، جو قدیمی بندشوں سے ایک گونہ آزاد اور جدید [illegible] ہے۔

حرم ابراہیمی | شہر خلیل کے ایک نشیبی مقام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہؓ نیز حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کی زوجات اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قبور واقع ہیں۔ اہل علم کا کہنا ہے، کہ اس وقت دنیا میں انبیاء کرام کی طرف منسوب جو قبریں پائی جاتی ہیں، ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ کے بعد ثبوت و تواتر کے اعتبار سے دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک کا ہے — ان قبور کے اوپر جو مسجد بنی ہوئی ہے، وہ حرم ابراہیمی کہلاتی ہے۔ اصلی قبور نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ زائرین لکڑی کی ان مصنوعی قبروں کے پاس کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں، جو مسجد کے فرش پر اصلی قبور کی نشاندھی کیلئے ان کے اوپر محاذاۃ میں بنی ہوئی ہیں — سلام و دعا کے بعد حرم ابراہیمی میں بیٹھ کر میں نے قرآن مجید کی کچھ تلاوت کی۔ حسن اتفاق ہے، آج میری منزلِ تلاوت سورۂ حجر تھی جس میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کے آنے اور حضرت اسحاق کی ولادت باسعادت کی بشارت دینے کا قصہ بیان ہوا ہے۔ موقعہ اور محل کی مناسبت سے ان آیات کی تلاوت میں آج ایک خاص کیف محسوس ہو رہا تھا — ظہر کی نماز حرم ابراہیمی میں پڑھ کر ہم بیت اللحم روانہ ہو گئے اور ہمارے قلوب خلیل کی ظاہری و معنوی برکات اور باشندوں کے تدین و اخلاق سے نہایت متاثر تھے۔

قریہ حلحول | ٹیکسی کے ڈرائیور سے طے ہوا تھا کہ بیت اللحم جانے کیلئے وہ قریہ حلحول کا رستہ اختیار کرے گا۔ حلحول میں حضرت یونس علیہ السلام کیطرف منسوب قبر پائی جاتی ہے جس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔ خادم قبر کے پاس یہ سفر نامہ موجود تھا۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ ہم عربی جانتے ہیں، تو اس نے از خود کتاب اٹھا کر فر فر متعلقہ عبارت سنا دی، اس کا مقصد شاید یہ تھا کہ ہمارے دل میں اس قبر کے ثبوت سے متعلق

شبہات اگر ہوں تو وہ دور ہو جائیں۔ حالانکہ اس قسم کی یقین دہانی کے لئے ایک طالب علم کے نزدیک ابن بطوطہ کا قول کب سند بن سکتا ہے۔؟ —— بہت ہی مختصر سلام و دعا کے بعد ہم بیت اللحم روانہ ہو گئے۔

بیت اللحم تین بجے کا وقت تھا کہ ہم بیت اللحم پہنچے۔ یہاں کا مشہور قابلِ دید مقام کنیسۃ المہد ہے۔ جو تاریخی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر بنا ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں، کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیارِ قدس کے سفر میں کنیسۃ القیامہ کی طرح یہ کنیسہ بھی دیکھ کر نماز پڑھنے کیلئے باہر نکلے اور یہ فرمان صادر فرمایا کہ کوئی مسلمان اس میں عبادت اور کسی قسم کا تصرف نہ کرنے پائے۔

اس کنیسہ کے جو پادری اور بطریق ہم نے دیکھے وہ زیادہ تر یونانی نسل کے ہیں، جو کافی عرصہ سے اس کنیسہ کی خدمت کیلئے یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔ یہ عربی بول تو لیتے ہیں مگر بہت ہی ناقص اور معمولی جسکی وجہ بظاہر رہبانیت کی یہ زندگی اور اہلِ بلاد سے اختلاط کم ہونا ہے۔ ایک پادری نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں کنیسہ کی تفصیلات سے متعارف کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کی نشاندہی کر دی۔ اس کے بعد اس نے اوپر کے ایک کمرے میں یہ کہہ کر ہمیں بھیجا کہ وہاں جا کر قرآن دیکھ لو۔ ہم حیران تھے کہ قرآن مجید کنیسہ میں کہاں سے آیا۔ جب کمرہ میں ہم داخل ہوئے تو وہاں انجیل کے مختلف مطبوع اور مخطوط نسخے نمائش کے لئے رکھے گئے تھے۔ بظاہر اس بیچارے کا یہ خیال تھا کہ ہم پاکستانی انجیل یا بائیبل کے لفظ سے آشنا نہ ہوں گے۔ چنانچہ ہماری سہولت کی خاطر اور ذہنی بوجھ سے بچانے کے لئے اس نے یہ تعبیر اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر اس ظلمت کدہ میں رہ کر ہم باہر نکلے اور جامع عمر میں عصر کی نماز پڑھی۔ ہمیں چونکہ رات واپس قدس پہنچنا تھا، اس لئے بیت اللحم کے دوسرے قابلِ دید مقامات مثلاً حقل الرعاۃ، قبر راحیل، اور مغارۃ اللبن وغیرہ کو چھوڑ کر صرف کنیسۃ المہد دیکھنے پر اکتفاء کر لیا۔

—— اتوار ۱۰ر جولائی ۱۹۶۶ء ——

اریحا آج صبح دیارِ فلسطین کے قدیم ترین تاریخی شہر اریحا کے لئے ہم نے رختِ سفر باندھا۔ رہنمائی کے لئے ابو طہیر صاحب اس سفر میں بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اریحا بیت المقدس کے شمال مشرق میں پچیس میل کے فاصلے پر بحر میت کے قریب واقع ہے۔ یہ اردن کا گرم ترین علاقہ شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ اردن کے اہلِ ثروت حضرات موسم سرما گذارنے کیلئے عموماً یہاں آتے

ہیں۔ یہ شہر چھوٹا مگر بہت خوبصورت ہے۔ اس کے اطراف و جوانب میں عین سلطان، عین قرنطل اور بعض دوسرے چشمے بہنے کی وجہ سے ہر طرف شادابی ہی شادابی ہے۔ خوشبودار پھول، لمبے اور خوبصورت درخت، لہلہاتے ہوئے کھیت اور سرسبز و شاداب باغات بکثرت نظر آتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد نبوت میں بنی اسرائیل کو جس شہر میں جھک کر داخل ہونے کا حکم ملا تھا۔ وہ اکثر مفسرین کے نزدیک یہی شہر اریحا ہے۔

ضریح موسیٰ علیہ السلام | اریحا کے قرب و جوار میں من جملہ کئی قابل دید مقامات کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیطرف منسوب قبر مبارک بھی ہے۔ جو عربی اصطلاح میں ضریح موسیٰ کہلاتی ہے۔ یہ قبر چونکہ شاہراہ سے کافی برطرف واقع ہے، اس لئے سپیشل ٹیکسی کے علاوہ وہاں پہنچنے کیلئے سواری کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہے۔ چنانچہ نصف دینار میں ٹیکسی لے کر ہم اس مبارک ضریح پر پہنچے۔ یہ آبادی سے دور پہاڑوں کے وسط میں ایک اونچی جگہ پر واقع ہے۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے۔ مسجد اور قبر دونوں کو ایک قلعہ نما فوجی چوکی احاطے میں لی ہوئی ہے۔ قبر اور مسجد کی درمیانی دیوار پر عربی میں یہ عبارت نقش ہے۔ کہ "یہ مقبرہ سلطان ابو الفتح بیبرس کے حکم سے ۶۶۸ھ میں جبکہ وہ صبح سے بواپسی یہاں آیا تھا، تعمیر ہوا ہے"

قصر ہشام | دعا و سلام سے فارغ ہو کر اسی ٹیکسی پر مزید ربع دینار دیکر ہم قصر ہشام دیکھنے گئے یہ قصر ہشام بن عبدالملک نے سردی کے ایام گذارنے کے لئے یہاں تعمیر کرایا تھا یہ اریحا سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔ اس کے اکثر و بیشتر حصے اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں، تاہم اس زمانے کے بادشاہوں کی بود و باش، زندگی کے طور طریقوں اور رفاہیت اور تنعم کے مختلف وسائل پر اس سے اب بھی کافی روشنی پڑ سکتی ہے۔ قصر کے بعض کمرے ہم نے ایسے دیکھے کہ ان کے فرش میں مرمر کے پتھروں کو جوڑ کر پھل دار درختوں، پرندوں، چرندوں اور درندوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں۔ ایک تصویر میں شیر کو ہرن کا شکار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بقول ایک عرب کاتب کے "یہ قصر اپنے محل وقوع، انتہائی وسعت و کشادگی خاص طرز تعمیر اور آرائش و زیبائش میں تفنن کے اعتبار سے اپنے اندر ایک ایسا جامع ماحول رکھتا ہے جس میں شہری تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ دیہاتی سکون و سادگی کا امتزاج بھی پایا جاتا ہے"۔ ایسے شاہی ویرانوں میں آکر دنیا کی بے ثباتی کا استحضار خوب ہوتا ہے ——

اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ ۔ الآیۃ ۔ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تم کو

آ پکڑے گی. اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔
ساتھیوں کا اتفاق اس پر ہوا کہ مذکورہ دونوں مقامات پر اکتفاء کر کے واپس قدس جانا چاہیئے۔ ورنہ اریحا کے قریب دیوار میں تل سلطان، جبل تجربہ، بحر میت، خرائب قمران اور کئی دوسرے مقامات بھی ایسے موجود تھے جن کا دیکھنا تفریح سے خالی نہ تھا۔

پیر ۱۱ر جولائی ۱۹۶۶ء

قریہ صور باھر آج دوپہر کے کھانے پر ابوطہیر صاحب نے اپنے گاؤں صور باھر میں مدعو کیا تھا۔ صور باھر ایک سرحدی گاؤں ہے، جو قدس سے دو تین میل کے فاصلے پر خلیل جانے والی سڑک پر اسرائیل کی حدود کے قریب واقع ہے۔ ابوطہیر صاحب نے گھر کی کھڑکی سے اشارہ کر کے دور کے کھیتوں میں چکر لگانے والے چند یہودی ہمیں دکھائے۔ اتنے خطرناک دشمن کے ساتھ حدود پر واقع ہونے کی وجہ سے اس گاؤں کے باشندے ہمیشہ خطرہ میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے کہنے کے مطابق اس علاقہ میں فوج موجود نہ ہونے کی وجہ سے اسرائیل ہر دو چار سال کے بعد حد بندی لائن کی تجدید کرتے ہوئے، صور باھر کی کچھ نہ کچھ زمین پر قابض ہو جاتا ہے۔ صبح سے شام تک کا وقت ہم نے اس پُرسکون دیہاتی ماحول میں گذارا اور عصر کی نماز کیلئے واپس بیت المقدس چلے آئے۔

جبل زیتون عصر کی نماز مسجد اقصیٰ میں پڑھ کر ہم جبل زیتون پر گئے، جہاں بہت سے شہداء صالحین کی قبور کے علاوہ حضرت سلمان فارسیؓ اور رابعہ عدویہؒ کے مزارات بھی موجود ہیں۔ جبل زیتون کے جس علاقہ میں سلمان فارسی کا مزار واقع ہے۔ وہ قریہ طور کہلاتا ہے۔ علاوہ ازیں عیسائیوں کے متعدد تاریخی گرجے اور بعض دوسرے مقدسات بھی جبل زیتون پر واقع ہیں۔

منگل ۱۲ر جولائی ۱۹۶۶ء

بیت المقدس سے متعلق آج کا دن زیادہ تر حرم مبارک میں گذرا۔ بیت المقدس میں ہمارے قیام کا یہ آخری دن تھا۔ کل دمشق جانے کے لئے ٹیکسی میں آج سے سیٹیں ہم نے بک کرا دیں۔ اس مبارک شہر کو خیرباد کہنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ڈائری میں اختصار کے ساتھ وہ تاثرات قلمبند کر دوں جو ایک ہفتے کے دوران قیام یہاں سے متعلق میرے قلب میں پیدا ہوئے ہیں۔
بیت المقدس میں اسلامی مقدسات کے ساتھ ساتھ چونکہ عیسائی مقدسات بھی بکثرت موجود

ہیں۔ اس لئے اس شہر میں عیسائیوں کا نسبتاً زیادہ آباد ہونا ایک طبعی امر ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کے مختلف ملکوں سے بھی عیسائی بکثرت اپنے مقدس مقامات دیکھنے کے لئے یہاں آتے رہتے ہیں۔ اس مسلم عیسائی اختلاط کی بنا پر یہاں بے پردگی اور عریانی کے مناظر نسبتاً زیادہ نظر آتے ہیں۔ زیادہ افسوسناک حقیقت تو یہ ہے کہ حرم مبارک بھی ان عریاں مناظر سے محفوظ نہ رہ سکا۔ کیونکہ مخصوص اوقات کے علاوہ غیر مسلم سیاحوں کو حرم مبارک میں داخل ہونے کی عام اجازت ہے۔ البتہ اس تفریح کے بدلے ان سے کچھ رقم وصول کی جاتی ہے۔ جس کے لئے حرم کے دروازوں پر باقاعدہ ٹکٹ ایشو ہونے کا انتظام ہے۔ عرب ممالک کے باشندہ عیسائی اس قانون سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ مسلمانوں کیطرح بلا کسی پابندی کے ہر وقت حرم میں داخل ہو سکتے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ عیسائیوں کے ساتھ اس درجہ کے اختلاط کے نتیجہ میں یہاں کے بعض مسلمانوں کا اسلامی حس و شعور بالکل مردہ ہو چکا ہے۔ اس کی ایک مثال میں یہ پیش کر سکتا ہوں کہ قدس کے بازاروں میں زیتون کی لکڑی کی مصنوعات کی تجارت بہت بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ سیاح یہ چیزیں یادگار کیلئے خریدتے ہیں۔ ان مصنوعات میں کھلونوں، گلدانوں اور بہت سی دوسری چیزوں کے علاوہ صلیب اور حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے بھی فروخت ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان تاجر سے جب میں نے دریافت کیا کہ آپ صلیب وغیرہ کو جو کہ کفر کا شعار ہے، عیسائی تاجروں کیلئے چھوڑ کر دوسری چیزوں کی تجارت پر کیوں اکتفا نہیں کرتے۔؟ تو اس کا جواب یہ تھا کہ یہ تجارت کا مسئلہ ہے۔ مذہب کا اس کے ساتھ تعلق نہیں ہونا چاہیئے۔ —— ویسے قدس کی سرزمین اسلامی غیرت و حمیت سے بھرپور دل رکھنے والے مسلمانوں سے بھی خالی نہیں۔ اس اسلامی غیرت کا ایک قصہ میں نے یہ سنا کہ چند سال پیشتر جب عیسائیوں کا پوپ اردن آیا تھا تو بادشاہ نے بطور اعزاز اسکو ایک یادگاری گرجا تعمیر کرانے کیلئے قدس میں زمین کا ایک ٹکڑا دیا۔ قدس میں اگرچہ بے شمار گرجے موجود ہیں لیکن غیور مسلمانوں سے برداشت نہ ہوا کہ ایک دشمن اسلام کی یادگار اس اعزاز کے ساتھ اس سرزمین پر قائم ہو۔ چنانچہ ایمان کی حرارت والوں نے بہت سے کاریگروں کو بلا کر شب بھر میں اس زمین پر مسجد تعمیر کرادی جسکا نام غالباً مسجد صلاح رکھا گیا۔ مسلمانوں کے مشتعل جذبات کا خیال رکھ کر حکومت نے اس حرکت پر کوئی مواخذہ نہ کیا۔ اور اس طریقہ سے زمین کا یہ ٹکڑا جو پوپ کی یادگار کیلئے مخصوص ہوا تھا، اسلامی غیرت و حمیت کی یادگار بن کر رہ گیا ——

قدس کا شہر دو قسم کا ہے۔ قدیم اور جدید۔ مقدسات سب قدیم میں واقع ہیں۔ اور یہ اردن

قدس سے مراد شہر بیت المقدس (یروشلم) ہے۔ ۱۲

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

قرآن فہمی کی ایک انوکھی مثال

واقعۂ آدمؑ و ابلیس کی پرویزی اور قادیانی تفسیر

جناب ابو نصر صاحب

الحق کے کسی سابقہ شمارہ میں ہم نے قرآنی براہین و دلائل سے ثابت کیا تھا کہ دین میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور دینِ اسلام کی وہی تعبیر صحیح سمجھی جائے گی جو اس سند (TOUCH-STONE) پر ٹھیک اترے گی۔ سنتِ رسولؐ سے انحراف کا نتیجہ سراسر گمراہی ہے ۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ان تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنتی ۔ موطا ۔ (میں نے تم میں دو چیزیں کتاب اللہ اور اپنی سنت چھوڑی ہے کہ جب تک اس پر عمل پیرا رہے ہرگز گمراہ نہ ہو گے ۔)

جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک پیغام رساں سمجھا اور آپؐ کا شارح کتاب اللہ کی حیثیت سے انکار کیا ان کی تفسیری بوالعجبیوں کا ایک نمونہ قارئین کی نظر ہے۔

آدمؑ اور ابلیس کا واقعہ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر تفصیل سے مذکور ہے[1] قادیانی حضرات اپنی مطلب براری کے لئے اور پرویزی حضرات حدیث دشمنی کی خاطر کس طرح قرآنِ حکیم کی گمراہ کن تاویلیں کر رہے ہیں ۔ وہ اس ایک واقعہ سے ظاہر ہے۔ قادیانیوں اور پرویزیوں نے "ابلیس" کی حقیقت سے انکار کیا ہے اور اس سے وہ مفہوم مراد لیا ہے۔ جو قرآن کے منشار کے سراسر خلاف ہے۔ اس ضمن میں یہ قرآنی حقائق قابلِ غور ہیں :۔

۱۔ ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا اور اس سے پہلے جنوں کو ہم لُو کی لپیٹ سے پیدا کر چکے تھے۔ پھر یاد کرو اس موقع کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ

[1] ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ ، آیات ۳۰ تا ۳۹ الاعراف : ۱۱ تا ۲۴ الحجر : ۲۷ تا ۳۳ بنی اسرائیل : ۶۱ تا ۶۵ الکہف : ۵۰ طٰہٰ : ۱۱۶ تا ۱۲۲ اور ص : ۷۱ تا ۸۵

کہ میں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔ جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ رب نے پوچھا۔ اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا۔؟ اس نے کہا کہ میرا یہ کام نہیں کہ میں اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا ہے۔ رب نے فرمایا، اچھا تو نکل جا یہاں سے کیونکہ تو مردود ہے۔ اور اب روز جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔ اس نے عرض کیا میرے رب یہ بات ہے تو پھر مجھے اس روز تک مہلت دے۔ جب کہ سب انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا، اچھا تجھے مہلت ہے اس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے۔ وہ بولا، میرے رب جیسا تو نے مجھے بہکایا ہے۔ اسی طرح اب میں زمین میں ان کے لئے دلفریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکاؤں گا۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو۔ فرمایا، یہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ بیشک جو میرے حقیقی بندے ہیں۔ ان پر تیرا بس نہ چلے گا۔ تیرا بس تو صرف ان بہکے ہوئے لوگوں پر چلے گا، جو تیری پیروی کریں اور ان سب کے لئے جہنم کی وعید ہے۔ (الحجر: ۲۶ تا ۴۳)

۲۔ ابلیس جنوں میں سے تھا۔ اس لئے اپنے رب کی اطاعت سے نکل گیا۔ (الکہف: ۵۰)

۳۔ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ (الذریٰت: ۵۶)

۴۔ مذکورہ بالا قرآنی آیات (نمبر ۱ تا ۳) کے ترجمہ سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کے نزدیک ابلیس سے مراد وہ جنّ ہے جس نے آدمؑ کی طرف خدا تعالیٰ کے دربار میں سجدہ کرنے سے انکار کیا اور یہ انسان کی طرح صاحب تشخص ہستی ہے۔ نیز جنوں کی تخلیق انسان سے پہلے ہو چکی تھی۔ (ملاحظہ ہو قرآنی آیات نمبر ۱ کے تحت خط کشیدہ الفاظ)

پرویزی مفہوم اب آدم علیہ السلام اور ابلیس کی سرگزشت کے سلسلہ میں غلام احمد پرویز صاحب کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔ مفہوم القرآن۔ پارہ اوّل ص ۱۳، ۱۴ سورۃ البقرہ کی ۳۴ تا ۳۶ آیات کا مفہوم یوں دیا ہے:۔

۱۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ[1]۔ (ص ۳۴) اس پر کائناتی قوتیں سب انسان کے سامنے جھک گئیں لیکن ایک چیز

---

[1] صحیح ترجمہ یہ ہے:۔ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں کا۔ (شیخ الہندؒ)

ایسی بھی تھی جس نے اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اس نے سرکشی اختیار کی۔ یہ تھے انسان کے خود اپنے جذبات، جن کے غالب آجانے سے اسکی عقل و فکر ماؤف ہو جاتی ہے۔ اور اتنی بڑی قوتوں کا مالک خود اپنے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے اور اس پر چاروں طرف سے مایوسیاں چھا جاتی ہیں۔

۲۔ وَقُلْنَا يَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ[1] (آیت ۳۵) ان صلاحیتوں کے ساتھ انسان کو دنیا میں بسایا گیا۔ اسکی ابتدائی زندگی کا نقشہ یہ تھا کہ اس کی ضروریات بہت محدود تھیں اور سامان نشو و نما کی بڑی فراوانی تھی، اس لئے ان میں نہ باہمی تصادم تھا نہ تزاحم، نہ اختلاف تھا نہ افتراق، تمام انسان ایک برادری کی طرح رہتے تھے۔ چنانچہ ان سے کہہ دیا گیا کہ اگر تم نے باہمی اختلافات شروع کر دئیے تو یہ جنتی زندگی تم سے چھن جائے گی اور تم سامانِ زیست کے حصول کے لئے بھی جانکاہ مشقتوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اس طرح خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ پر زیادتی کر بیٹھو گے۔

۳۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ[2] (آیت ۳۶) لیکن انسان پر اسکی انفرادی مفاد پرستیوں کے جذبات غالب آگئے اور اس نے اپنے خود ساختہ نظام کے مطابق تمدنی زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ اس سے اسکی وہ جنتی زندگی چھن گئی۔ انسان مختلف گروہوں میں بٹ گیا اور ایک گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہو گیا۔ لیکن دنیا میں انسانی زندگی کوئی ایک آدھ دن کی بات نہ تھی کہ یوں ہی گزر جاتا۔ اس نے یہاں ایک مدت تک رہنا اور سامانِ زیست سے ہر ایک نے فائدہ اٹھانا تھا۔ تو کیا انسان کے لئے اسکی خود پیدا کردہ مصیبت کا کوئی حل نہیں تھا؟

قارئین کرام ہمارے خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں اور خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ ڈاروِن کے نظریۂ ارتقا کی تائید ہے یا قرآنی سرگزشت آدمؑ و ابلیس کی تفہیم۔

قادیانی تفسیر

مرزا غلام احمد قادیانی اور چوہدری غلام احمد پرویز کے ناموں میں جسقدر مماثلت ہے اتنا ہی ان کے کام میں بھی ہے۔ یہاں ہم مرزا قادیانی کے خلیفہ اور لڑکے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تفسیر صغیر سے آدمؑ و ابلیس کے واقعہ کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

۱۔ "آدمؑ کو سجدہ کرنا قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ پس ہم نے دوسرے معنے لئے ہیں۔ اور یہ

[1] اور ہم نے کہا اے آدم رہا کر تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم۔ (شیخ الہندؒ)

[2] پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا ان کو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔ (شیخ الہندؒ)

ترجمہ کیا ہے کہ آدمؑ کیساتھ سجدہ میں گرجانا" (ص۵۲۳ فٹ نوٹ)

۲- وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ[1] (الکہف-۵۰) اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ تم آدمؑ کے ساتھ مل کر سجدہ کرو اس پر انہوں نے تو سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا وہ جنوں (یعنی مال دار شریر لوگوں میں سے) تھا سو اس نے اپنی فطرت کے مطابق اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ (ص۵۹۹)

۳- وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ؕ[2] (الحجر-۲۷) اس آیت میں مرزا صاحب نے جنوں کی "نار" سے پیدا ہونے کے یہ معنی مراد لئے ہیں۔ کہ بڑے لوگوں میں سخت غصہ پیدا کیا گیا ہے چنانچہ امراء میں عادتاً غصہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے خلاف بات سن نہیں سکتے۔ (ص۵۲۲ فٹ نوٹ)

۴- قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ؕ[3] (الاعراف-۱۴) میں یہ مطلب نہیں کہ قیامت تک مہلت دے بلکہ مراد یہ ہے کہ روحانی بیداری پیدا ہونے تک مجھے مہلت دے۔ (ص۳۰۶ فٹ نوٹ)

۵- قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۔[4] (الاعراف-۲۴) میں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جن شیطانوں کا ذکر ہے وہ انسان ہی تھے۔ کیونکہ اس آیت سے ثابت ہے کہ انسانوں اور شیطانوں کو اکٹھے نکلنے کا حکم تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں انسان ہی انسان نظر آتے ہیں، شیطان تو ہم کو نظر نہیں آتے۔ شیطانوں کا کوئی الگ گروہ نظر نہیں آتا۔ جو انسانوں سے دشمنیاں کرتا ہو" (ص۳۰۹ فٹ نوٹ)

ہم نے اس مختصر مقالہ کی ابتداء میں ابلیس اور اس سے متعلقہ واقعہ کی حقیقت اور پھر آخر میں اسکی پرویزی اور قادیانی تاویلیں انہیں کے اپنے الفاظ میں بیان کی ہیں۔ یہ تاویلیں اس قدر لایعنی اور بے ربط ہیں کہ ایک عام شخص بھی ان متجددین کی ضلالت کو بھانپ سکتا ہے۔

المختصر پرویز صاحب ●۔ ملائکہ سے کائناتی قوانین ●۔ ابلیس سے انسانی جذبات ●۔ آدمؑ و حواؑ کی جنتی زندگی سے انسانی دنیاوی زندگی کے ابتدائی پرامن مراحل جب سب انسان ایک

---

[1] اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے۔ مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے (شیخ الہندؒ) [2] اور جنوں کو بنایا ہم نے اس سے پہلے لو کی آگ سے (شیخ الہندؒ)۔

[3] بولا کہ مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں۔ (شیخ الہندؒ)

[4] فرمایا تم اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔ (شیخ الہندؒ)

برادری کی طرح رہتے تھے۔ اور آدمؑ و حوّا سے جنتی زندگی چھن جانے سے انسان کا خود ساختہ نظام
کے مطابق تمدنی زندگی بسر کرنا مراد لیتے ہیں۔

اب مرزا صاحب کو لیجئے۔ وہ ابلیس کا آدمؑ کو سجدہ کرنا ہی قرآنی تعلیم کے خلاف سمجھتے ہیں۔
حالانکہ قرآن شاہد ہے کہ ابلیس نے تو سجدہ سے اسی لئے انکار کیا تھا کہ وہ آدمؑ سے بہتر ہے اس لئے
آدمؑ کو کیوں سجدہ کرے؟ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ
مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ (الاعراف ۔۱۲) ترجمہ: کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب
میں نے حکم دیا، بولا میں اس سے بہتر ہوں، مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے۔

مرزا صاحب ابلیس سے مراد امراء اور مالدار لوگ لیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے ابلیس
یعنی امراء کو حکم دیا کہ آدمؑ یعنی عامۃ الناس کو سجدہ کریں۔ ع بایں عقل و دانش بباید گریست۔

دراصل مشکل یہ ہے کہ مرزا صاحب کو شیاطین نظر نہیں آتے اور پرویز صاحب کو ملائکہ نظر نہیں
آتے اس لئے وہ ان کو ماننا نہیں چاہتے اور تاویلیں کرتے ہیں۔ حالانکہ سائنس کا ایک ادنیٰ طالب علم
بھی جانتا ہے کہ ہماری آنکھیں تو نور کی صرف محدود WAVE LENGTHS کو دیکھ سکتی ہیں جبکہ کائنات میں
لاانتہا نوعیت کی نورانی لہریں (WAVES) موجود ہیں جن کا ہماری آنکھیں احاطہ نہیں کر سکتیں۔ مثال کے
طور پر ایکس ریز (X-RAYS) آپ کے جسم کے گوشت پوست کو چیر کر ہڈیوں کو دیکھ سکتی ہیں مگر ہماری
آنکھیں انہیں دیکھنے سے قاصر ہیں۔ تو کیا ہڈیوں کے وجود سے انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ ہماری آنکھیں
انہیں دیکھنے سے قاصر ہیں۔؟ اور پھر قرآن تو ہدایت یابی کے لئے یؤمنون بالغیب کی شرط
عائد کرتا ہے۔! اگر حواس ہی کو معیارِ صداقت بنایا جائے اور قرآن مجید کو صرف عقل و قیاس پر ہی پرکھا
جائے تو یہ ناممکن ہے ؎

عقل ناقص کے تواند گشت بر قرآں محیط
عنکبوتے کے تواند کرد سی مرغے شکار

ہم پرویزی اور قادیانی علماء سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ آپ کی تاویلیں قرآن کی کھلم کھلا تحریف نہیں
تو اور کیا ہے؟ یحرفون الکلم من بعد مواضعہ۔ (المائدہ ۔۴۱) اور جواب دینے سے پہلے قرآن
کی تفسیر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد رکھئے: مَنْ فَسَّرَ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ
فِي النَّارِ (الحدیث) ترجمہ: جس نے قرآن کی من مانی تفسیر کی وہ اپنے لئے جہنم میں ٹھکانا بنالے۔

کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ (القمر)

معاشرۂ امروزہ

پائمال ست روحِ انسانی — بے لگام ست نفسِ حیوانی
آدمیت بجان ز شیطانی — جاں بلب گشتہ ہم مسلمانی
نیست محفوظ جان و مال کساں — ہمگی خلق در پریشانی
آبروی شریف و نیکو نام — ریختہ میشود بہ ارزانی
گوئیا قیمتے نمیدارند — جان و مال آبروی انسانی
بنی آدم عدو یکدگرند — گر بظاہر تو دوست میدانی
"در قفا ہمچو گرگ مردم در" — رو برو چوں نفوس روحانی
خودپرستی و نفع اندوزی — بہرِ حق غیر خاک افشانی
چاپلوسی ز بہر خودغرضی — نیست نام و نشاں ز قربانی
سر کشیدہ غرور فرعونی — در پسِ وے فریب ہامانی
حسد و بغض و کبر و حرص و ہوس — باہمہ خواہشاتِ نفسانی
غیبت و کینہ ہم دروغ و نفاق — ہمہ ہنگامہائے طوفانی
بدزبانی و تہمت و بہتان — ژاژخائی و طعن و لعانی
بدگمانی و ہم سخن چینی — آبروریزی است و خذلانی
بے وفائی و غدر و غمازی — مردم آزاری ست طولانی
فرقہ بازی و تفرقہ سازی — سازش یکدگر بہ پنہانی
حیلہ و مکر و فتنہ انگیزی — باہمہ حربہ ہائے شیطانی
بفروغ اند و در مقابل آں — ہمہ اخلاقہا شدہ فانی
ہرکہ زیں جملہ بہرہ ور باشد — اوست دانائے دہر و لاثانی
وقت خودبینی ست و خودرائی — کس نپرسد ز حکم یزدانی
پائے کوب است دیو استبداد — پائے مال است امر ربانی

جلوه گر زنگی است در بازار — یوسف ما بچاه کنعانی
قادیانی غلام از شوخی — دست برده بتاج سلطانی[1]
کرده شد چاک دفتر سنت — تازه دم شد غرور ساسانی[2]
ذکر انکار سنت نبوی است — فکر تحریف نقش قرآنی
شیر مادر شده شراب و ربا — بیں کرامت ز فضل رحمانی[3]
عشرت ملحدانهٔ یورپ — ہمچو سیلاب کرده طغیانی
عیش کوشی، خدا فراموشی — مست در مدہوشی و ہوس رانی
بے حیائی و فحش و بدکاری — رقص و چنگ و سرودِ عریانی
غرق در ورطهٔ فجور و فساد — نہ شنوی نامے از پشیمانی
خیز از خوابِ غفلت ای مسلم — یورشی بر بہ فوج شیطانی
محو کن نقشہائے باطل را — ای مسلمان و مرد حقانی
سامری کیست و چیست گوساله — برائے تے کن چوال عمرانی
حق چو آید فنا شود باطل — مژده بشنو ز نص قرآنی
دفع گردان بلائے مغرب را — باہمه قوتے که بتوانی
حزب شیطان ضعیف تر باشد — گردنش زن به سیف رحمانی
لرزه افتد به قلعهٔ باطل — کلمهٔ لا اله چو بخوانی
نصرتِ حق اگر شود شامل — دفع گردد بلا به آسانی
گرچه تاریکی است در عالم — رہبر تست نور ایمانی

راست بازی شعار سربازی
غالقش میکند نگہبانی

---

[1] تاجِ سلطانی سے مراد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ تمام انبیاء کے سلطان اور خاتم الانبیاء ہیں۔ غلام احمد قادیانی نے غلام کہہ کر انتہائی شوخی اور گستاخی سے آپ کے تاجِ نبوت کو چھین لینے کی ناکام کوشش کی اور دنیا و آخرت کی رسوائی اٹھائی۔

[2] کسریٰ پرویز شاہِ ایران نے غرور کی وجہ سے حضورِ اکرمؐ کے نامۂ مبارک کو چاک کیا وہ ساسانی خاندان سے تھا حضور کی بد دعا سے اپنے بیٹے کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔ غلام احمد پرویز نے سنتِ نبوی کے دفتر کو بزعم خود چاک کر کے گویا کسریٰ پرویز ساسانی کا غرور پھر تازہ کر دیا۔

[3] ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کے ڈاکٹر فضل الرحمان جنہوں نے شراب اور سود کو حلال قرار دیا۔

جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے
صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور
رفیق اعزازی الحق

آخری قسط

گذشتہ سے پیوستہ

ارمغان سلیمان پر ایک نظر

بہرحال دورِ اوّل کا کلام جو فاضل مرتب کی مساعی سے مجموعہ کی زینت بن سکا ہے، وہ ایک نعت، ۲۴ غزلوں، ۹ منظومات، چند رباعیات و قطعات اور طالب علمی کے ایک استاذانہ فارسی قصیدہ پر مشتمل ہے، جو ہونہار شاگرد نے اپنے استاذ شبلی مرحوم کی مدح میں کہا تھا۔ اس مجموعہ کے تعارف کا آغاز تبرکاً نعت کے دو شعروں سے کرتا ہوں :

تو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال — کونسی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں
مجلسِ شاہ میں ہے نغمۂ تسلیم و درود — شورِ تسبیح نہیں شورشِ اذکار نہیں

امیر خسروؒ کا مشہور شعر ہے ؎

کشتۂ کہ عشق دارد نگذارد دست پریشاں — بجنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

حضرت سید صاحب کا شعر ملاحظہ ہو :

دستِ نازک سے اٹھاتے ہیں وہ میت میری — بعد مرنے کے ٹھکانے لگی محنت میری

مزید اشعار نمونۃً درج کرتا ہوں :

چاہے تم آج نہ ہو میری وفا کے قائل — پر تمہیں یاد کبھی آئے گی الفت میری
یہی جی چاہتا تھا اٹھ کے سینہ سے لگالوں میں — ارادہ جب کیا تم نے مری میت اٹھانے کا
خطاب غیر میں گو لاکھ احترام رہے — مگر وہ لطف کہاں ہے جو لفظ "تو" میں ہے
دہن میں تیغ کے اب بھی ہے تشنگی باقی — عجیب لذت پنہاں مرے لہو میں ہے
نگاہِ لطف ادھر ہو کہ آچلا ہے کیف — بچا نہ رکھ مرے ساقی جو کچھ سبو میں ہے

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں !　　وہ ایک قطرۂ خوں جو رگِ گلو میں ہے

اُٹھا مجھ ہی سے ترکِ ملاقات کا گلہ　　طرزِ ستم نئی ہے تغافل شعار آج

اعلان کرکے قطعِ محبت کے راز کو[1]　　پھر سے بنا دیا مجھے امیدوار آج

راہِ لیلیٰ میں نہ کر آبلہ پائی کا گلہ　　وادیٔ نجد میں اے قیس کوئی خار نہیں

یہ دل وہ شیشۂ نازک ہے میرے سینے میں　　نظر سے بھی جو گرے پاش پاش ہو جائے

نگاہِ شوق ذرا دیکھ بھال کر اٹھے　　چھپا ہے راز جو دل میں نہ فاش ہو جائے

شکستِ رونقِ بتخانہ ہو نہیں سکتی　　خلیل خود ہی اگر بت تراش ہو جائے

اب اذنِ دفن ہو دل کا غبار دور کرو　　کہ زیرِ خاک تو بیکس کی لاش ہو جائے

کیا سرِ کائنات کوئی فاش کر سکے　　جو فاش ہے بھی کس کی سمجھ میں وہ آ گیا

ناامیدی نے مجھے دولتِ تسکیں بخشی　　اب سرِ ناز و نیاز بت بدخو نہ رہا

مضطر وہ برق وش تھا اٹھنے کو خود حجاب　　ہم آپ درمیان میں حائل تو ہو گئے

تعلیمِ نو، سیاستِ ملکی، فنونِ حال　　اکسیر ہے مگر نہ دوائے دل و جگر

وہ جذبِ مذہبی ہے وہ ملت کا جوش ہے　　جو چشمۂ حیات ہے اور قوتِ بشر

ذرا ذرا اٹھ کے مرے دل میں ٹھہر جاتا ہے　　کیوں رگِ دل کی جگہ سینہ میں نشتر نہ ہوا

تیرے جانے پہ گماں تھا کہ ہو محشر برپا　　تو گیا اور بپا دہر میں محشر نہ ہوا

دورِ اوّل کے کلام میں جو منظومات ہیں وہ بھی شاعر کی غیرت وحمیتِ ملی کا نشان، حقائق کا بیان اور اصلاحی رنگ کو لئے ہوئے ہیں۔ سیاسی نظموں میں بلا کی ایمائیت ہے۔ اور یہ نظمیں سیاسی فراست و بصیرت کا آئینہ ہیں۔

استاذ شبلی مرحوم اور اپنی پہلی زوجہ محترمہ کا مرثیہ بھی درد و الفت کا گنجینہ ہے۔ اور بعض اشعار تو قیامت کے ہیں۔ اصلاحی نظموں میں سے ایک نظم کے چند شعر نقل کرتا ہوں :

گر کسی قوم میں آزادیٔ گفتار نہیں　　اس کے جینے کے بظاہر ہیں بہت کم آثار

ٹک دو پاؤں میں رہبر کے جو لغزش دیکھو　　کہ نہ ہٹ جائے کہیں جادۂ حق سے رفتار

قوم "الفاظ" کے جوہر سے نہیں بنتی ہے　　بلکہ اقوام کے جینے کا ہے معنیٰ پہ مدار

قول اسوقت ہی ایمان کا رتبہ پاتا　　جبکہ قلب اور جوارح سے ہو اس کا اقرار

[1] یہ شعر غالباً مکاتیبِ سلیمانی میں اس طرح ہے : اظہار کرکے عشق و محبت کی راہ کو　　پھر سے بنا دیا مجھے امیدوار آج (س ح)

دل بستی مایہ ہے لیکن جو زبان کو دیکھو لفظ لفظ اس کا ہے ہمپایہ درِ شہوار

قدیم و جدید طرزِ حکومت کے کچھ شعر جو ۱۹۱۹ء میں کہے گئے تھے، ملاحظہ ہوں :

ایک صاحب نے کہا مجھ سے کہ آئینِ کہن
منبعِ ظلم تھا اور مایۂ آلام و محن

نہ کوئی ملک میں قانون جہاں بانی تھا
نہ حکومت کے تھے آداب و اصولِ حسن

میں نے کی عرض اجازت ہو تو کچھ میں بھی کہوں
میرے نزدیک صداقت سے ہی خالی یہ سخن

پہلے فرمانِ سلاطین جہاں جو کچھ تھا
اب بھی حکامِ ممالک کو وہی ہے قدغن

عدل و اصلاحِ طلب کے لئے تیار ہے
قید و زنجیر و تفنگ و تبر و دار و رسن

بقول حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہٗ "سید صاحب بطنی سعید تھے اور صوفی پیدا ہوئے تھے۔" بچپن و لڑکپن والدِ محترم اور برادرِ مکرم جناب شاہ سید ابوحبیب صاحب کی خدمت میں گزرا، جو دونوں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں مجازِ بیعت تھے۔ انکی توجہات اور نقشبندی سلسلہ کے اشغال سے بچپن میں ہی بہرہ مند ہوئے تھے۔ گو بعد میں قدرت نے مغربیت و استشراق کے دجالی فتنہ کے استیصال کا عظیم الشان کام ان سے لینا تھا۔ اس لئے مدتوں مسندِ علم و تحقیق کے صدر نشین کی حیثیت سے اسلام کا علمی دفاع و اشاعت کرتے رہے۔ اور ایک زمانہ تک "سلوک" کی معروف راہ چھوٹ گئی۔ لیکن حق یہ ہے کہ قلبِ سلیمانی ہمیشہ اپنی منازل طے کرتا رہا۔ اور الحاد و دہریت، استشراق و بے دینی کے خلاف کامیاب معرکہ آرائی ان کے لئے خود ایک طرزِ سلوک بن گئی، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سلیمان ندوی کسی زمانہ میں بھی "سالک" نہیں تھے۔ تاہم معروف سلوک کی بادیہ پیمائی" اور شیخ الکل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے تعلق سے پیشتر ان کا رنگ کچھ اور تھا۔ اس لئے اس دور کی شاعری کو "رسمی شاعری" قرار دیا گیا ہے۔ تاہم اس رسمی شاعری کے دور میں بھی طبیعت کا باطنی رجحان اور طلبِ صادق کسی شیخ کی تلاش اور معروف طریقہ سے منازل سلوک طے کرنے کیلئے بیتاب تھی جن کے شواہد قدم قدم پر ملتے ہیں۔ ایک دور ایسا آتا ہے۔ کہ شاعر اپنی وابستگیوں سے نکلنا چاہتا ہے۔ لیکن اپنے کو "مجبور اور تحیّر" کے عالم میں پاتا ہے، اس قسم کے اشعار پہلے دور کے کلام میں کافی مل جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو :

دل میں آتا ہے کہ اب ترکِ مئے و ساغر کروں
پھر یہ بتلائے کوئی کیسے کروں کیونکر کروں

حسن کے جادو سے مجھ کو کیسے آزادی ملے
عشق کی تاثیر سے دل کو کسطرح باہر کروں

دل کے اس بتخانۂ عشق و ہوس کو توڑ دوں
اب نہ پیشانی کبھی نذرِ بت کافر کروں

بت پرستی ہی کروں اور بت شکن بھی میں بنوں — کیش ابراہیم رکھ کر پیشۂ آذر کروں
کفر پر ہے دل کبھی مائل، کبھی ایمان پر — معرکہ اس نور و ظلمت کا میں کیسے سر کروں
آنکھ میں توبہ کے آنسو دل میں اس بت کی لگن — ہائے گنگا جل کو کیسے زمزم و کوثر کروں
عقل کہتی ہے کہ ناداں نہ ہو گمراہ نہ ہو — عشق کہتا ہے کہ کیا لطف اگر چاہ نہ ہو
ہر قدم پر ہے یہ خطرہ کہ وہ بھٹکے نہ کہیں — رہنما کوئی مسافر کے جو ہمراہ نہ ہو
کوچۂ عشق میں آئے ہیں تو حضرت سن لیں — نام کا پاس نہ ہو ننگ کی پرواہ نہ ہو
آکہ اب جان کو قرار نہیں — دردِ فرقت سہا نہیں جاتا
یہ کیسی آگ ہے رہ رہ کے شعلہ جس کا اٹھتا ہے — کبھی وہ راکھ ہو جاتی ہے پھر وہ خود سلگتی ہے
نہ بجھ جانے کی فرصت ہے نہ جل جانے کی ہمت ہے — سلگ کر پھر وہ بجھتی ہے، وہ بجھ کر پھر سلگتی ہے
زباں سے شرحِ تمنا تو ہو نہیں سکتی — مگر جو بات ہے دل میں وہ کاش ہو جائے

غزل نمبر ۲۳ مندرجہ ص۲۸ کا ایک ایک شعر معرفتِ باطنی کی دلیل ہے۔ دو ایک اشعار سنیئے:

نقشِ رنگا رنگِ عالم کو تصور سے مٹا — تجھ کو گر آرائشِ ایوانِ دل منظور ہے
جو حجاب اٹھتا گیا بنتا گیا وہ خود حجاب — جو نظر آتا ہے بے پردہ وہ بھی مستور ہے
مانعِ دیدار ہو جاتا ہے خود قربِ نظر — جس قدر نزدیک جو ہے اس قدر وہ دور ہے

کتاب کی ظاہری صورت بھی دیدہ زیب ہے۔ اور کتابت و ترتیب نفیس و عمدہ، گو بشری کمزوری کی وجہ سے کتابت کی دو چار غلطیاں رہ گئی ہیں، جنہیں مرتب نے اپنے قلم سے درست فرما دیا ہے۔ اس طرح مرتب نے اپنی طرف سے ارمغانِ سلیمان کو ہمہ خوبی سے پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسکی جزائے خیر دے کہ ناظرین و اہلِ شوق کو کلامِ شیخ سے مرہون فرمایا جو حقیقت میں ارمغانِ سلیمانی نہیں بلکہ سرمۂ سلیمانی ہے۔ اور دیدہ و دل کے لئے سامانِ راحت و بصیرت ——

امید ہے کہ ہر طبقہ کے حضرات اس خوانِ سلیمانیؒ سے فیضیاب ہوں گے۔ خصوصاً اہلِ ذوقؔ سالکین کے لئے اس کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا —— والحمد اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً۔

آخر میں یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ "ارمغانِ سلیمان" کے دونوں حصے غزل الغزلات اور دورِ اوّل کا کلام، ایک ہی سلسلۃ الذہب کی دو کڑیاں ہیں۔ سید صاحب کا دورِ آخر، دورِ اوّل کا

ارتقائی نتیجہ اور منطقی لازمہ ہے۔ حضرت سید صاحب کی ذہنی و عرفانی زندگی پر جن لوگوں کی عمیق نگاہ ہے وہ جانتے ہیں کہ سید صاحبؒ پیدائشی "اسلامی صوفی" ہوئے تھے۔ اور زندگی کے مختلف مراحل میں انہوں نے جن منازل و گھاٹیوں کو طے کیا، وہ "اسلامی سلوک" ہی کی مختلف راہیں تھیں۔ جو حضرات صاحبِ معارف سلیمان ندویؒ کے پچاس سالہ تصنیفی مجاہدات کو عارف سلیمان ندویؒ کی علمی و عرفانی خدمات سے جدا کر کے دیکھتے ہیں۔ وہ اسلامی تصوّف اور سلیمانی نظریہ سلوک کی جامعیت و ہمہ گیری سے ناواقف ہیں۔ سیرت نگارِ نبویؐ اعظم گڑھ کے سلیمانی اورنگ، علم و تحقیق پر رونق افروز ہوں، یا تزکیہ و تربیتِ باطنی کی مسندِ ارشاد پر وہ استاذ شبلیؒ کی شاگردی کا حق ادا کر رہے ہوں۔ یا شیخِ وقت حضرت تھانویؒ کی نیابت ہر حال میں ان کے سامنے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل و جامع اسوہ تھا۔ جسے دیکھ دیکھ کر وہ اپنے ظاہر و باطن کو سنوار رہے تھے۔ اور اسی آئینہ میں عالم کو بھی حق کی تمثال بتا رہے تھے۔ حضرت سلیمان ندویؒ کے ذہنی و قلبی روحانی و علمی سوتوں کی اصلاً سیرابی انہی الٰہی سوتوں سے ہوئی تھی۔ جو سینہ نبوّت سے پھوٹے تھے۔ اور جو دین و دنیا، قلب و روح، جسم و جان اور ظاہر و باطن کی جامعیت کے حامل تھے۔ اس لئے اپنی زندگی کے ہر دور اور سعی و عمل کے ہر میدان میں وہ انہی الٰہی مقاصد و اعمال کا جویا اور طالب رہے۔ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا حاصل تھیں۔

حضرت سید صاحب نے حضرت تھانویؒ کے تعلق کے بعد نہ تو استاذ شبلیؒ کے دامن کو چھوڑا۔ نہ کسی شخص یا طبقہ کی رو و رعایت سے اپنی ذاتی تحقیقات[1] سے دستبردار ہوئے اور نہ تو علمی کاموں سے دستکش ہوئے۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ کے تعلق کے بعد ہی حیاتِ شبلی جیسی کتاب لکھی، اجتماعی دینی اور ملی خدمات میں بھی آخر دم تک سرگرم رہے۔ غزل الغزلات کے رموز و اشارات اور شاعرانہ استعاروں سے کسی "صاحبِ فکر و نظر" کا اس کے خلاف نتائج نکالنا سراسر زیادتی، حقیقت ناآشنائی اور حیران کن جسارت ہے۔[2] سید صاحب کی جامعیت نے شبلوی علوم و اشرفی حقائق و معارف کو اپنے خداداد افکارِ عالیہ و فضائل و مزایا کے ساتھ اس طرح سمو لیا تھا۔ کہ وہ فکرِ سلیمانی ہی کا ایک حصہ بن گئے تھے۔ اور استاد شبلیؒ و شیخ تھانویؒ کے کمالات کی یکجا جلوہ نمائی حضرت سید صاحب کی ذاتِ گرامی سے آخر دم تک ہوتی رہی۔ جس مدرسۂ فکر کے وہ امام تھے۔ اس کی قیادت و رہنمائی سے وہ دستبردار نہیں ہوئے۔

---

[1] معارف جنوری ۱۹۴۳ء کے شذرات میں اسکی تصریح ہے۔ [2] یہ تبصرہ لکھا جا چکا تھا کہ ماہنامہ "فکر و نظر" میں ارمغانِ سلیمان پر جناب محمد سرور صاحب کا "انتقاد" نظر سے گزرا۔ آئندہ سطور اسی سلسلے میں لکھی گئی ہیں۔

بلکہ اس مدرسۂ فکر" کی دلکشی و تابانی، حقیقت یابی، روحانیت و نمو میں سلیمان ندویؒ کے اس
جرأت انگیز و مردانہ قدم نے چار چاند لگا دیئے۔ جب تک آپ دار المصنفین میں رہے۔ آپ نے
اسے اسلامی علوم و معارف، سلف صالحین کے مسلک کا اعظم گڑھ بنائے رکھا۔ اور اسلام کی
"تجدد" کے نام پر جہاں کہیں بھی تحریف و تاویل کی کوشش کی گئی۔ اس مرد حق آگاہ نے اس کی جڑوں کو اکھاڑ
پھینکا۔ بعد میں انقلابات زمانہ نے گو انہیں دار المصنفین سے جدا کر دیا تھا۔ لیکن ان کی علمی و تعلیمی اور ملی
سرگرمیاں حتی المقدور جاری رہیں۔ قیام پاکستان کے دوران میں بھی وہ مختلف تحقیقی و علمی اداروں
کے سربراہ اور فعال رکن رہے۔ اور امت کی دینی و علمی سیاسی و قانونی رہنمائی فرماتے رہے ـــ ماہنامہ
فکر و نظر کے فاضل مدیر نے سلیمانی مدرسۂ فکر" کی شکست اور سید صاحب کی علوم شبلیؒ سے دستبرداری
کی جو داستان تراشی ہے۔ گو وہ "فکر و نظر" کے عمومی معیار کے عین مطابق ہے، لیکن اس کا حقیقت سے
دور کا بھی تعلق نہیں۔ سلیمان ندویؒ نے شبلی مدرسۂ فکر و دار المصنفین کو "رجعت قہقری" پر مجبور
نہیں کیا۔ بلکہ اپنی بصیرت افروز رہنمائی میں اسے ان بنیادوں پر ثبات و قرار بخشا، جو اسلام و دین کا اصل
تقاضا اور نبوی تعلیمات اور سلف صالحین کے اسوہ کا اقتضا تھا۔ یہ سچ ہے کہ سلیمان ندویؒ نے
دین محکم اور اسلام کے لازوال اور غیر متبدل اور انمٹ احکام و نظریات کو نام نہاد تجدد کی بھینٹ
چڑھا کر اسلام کے حقائق کو مسخ نہیں ہونے دیا۔ اور نہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم و
ابدی دین کو استشراق و یہودیت و مسیحیت کے در پر جبہ سائی کرنے" کی کریہہ کوشش کی سلیمان ندویؒ
کا یہ کارنامہ تجدد پسندوں کی تاویل پسند طبیعتوں میں کتنا ہی کھٹکتا ہو اور اسے کیسا ہی حسرت ناک سانحہ
قرار دیا جاتا ہو۔ سید صاحبؒ کے اس کارنامہ پر پوری امت بلکہ خود اسلام کو فخر ہے۔

اس لحاظ سے "ارمغان سلیمان" سید صاحب کے انقلاب روحانی کے حسرت ناک[2] سانحہ
کی منظوم داستان" نہیں۔ بلکہ علم و فضیلت کے جملہ نام لیواؤں کے درس بصیرت اور حقیقت آشنائی
خدارسی، ایمان و اخلاص، احسان و تقویٰ کی اس راہ پر گامزن ہونے کی دعوت ہے جس راہ پر خاصان امت
کا قافلہ ہمیشہ چلتا رہا ہے۔ اور جس میں ابوحنیفہؒ، جنید و شبلیؒ غزالیؒ و رازیؒ، سہروردیؒ، جیلانی،
مجدد سرہندیؒ و شاہ ولی اللہ۔ جیسے اکابر شامل ہیں، فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا۔ ۵۵

[1] یہ موقع اس اجمال کی تفصیل کا نہیں۔ "سلوک سلیمانی" جب منظر عام پر آئے گی۔ تو انشاء اللہ
اس قسم کی اکثر غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ مزید یہ کام سید صاحب کے سوانح نگار کا ہے۔ کہ ان
حقائق سے پردہ اٹھائے۔ (م-ا)　　[2] جیسا کہ "ماہنامہ فکر و نظر" نے لکھا ہے۔
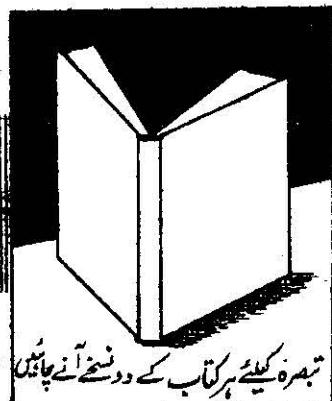
صیانۃ الحدیث (حصہ اول)

از مولانا عبدالرؤف رحمانی
جھنڈانگری، صفحات ۳۲۰

کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت ۵/۳ روپے۔ ملنے کا پتہ :۔ مولانا عبدالرؤف معرفت قاضی تبارک اللہ۔ ڈاک خانہ رام دت گنج ضلع بستی (یو۔پی)۔ بدقسمتی سے اس زمانہ میں دیگر فتنوں کی طرح منکرین حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنہ بھی پورے عروج پر ہے اور تصنیف و تالیف کی راہ سے مسلمانوں میں حجیت حدیث تدوین اور ترتیب حدیث کے بارہ میں مختلف شکوک و شبہات پھیلائے جارہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں الحاد و زندقہ کی ایسی ہر تحریک اور فتنہ کی علمی اور تحقیقی تردید کے لئے علمائے حق سے حفاظت دین کا کام لیتا رہا اور باطل نظریات کا "شر" ٹھوس علمی، مفید ابحاث اور تحقیقات کا محرک بنا اور ملی و دینی حمیت سے بھرپور مفید کتابیں منظر عام پر آئیں۔ پیش نظر کتاب بھی فتنۂ انکار حدیث پر ایک کاری ضرب کی حیثیت رکھتا ہے۔ فاضل مؤلف نے مشہور منکر حدیث ڈاکٹر غلام جیلانی برق "مؤلف دو اسلام" اور دیگر منکرین حدیث کے شبہات اور شکوک کا تاریخی اور علمی جواب دیا ہے اور کتابت و حفاظت حدیث کے مختلف ادوار، کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ کی نگاہ میں حدیث رسولؐ کے مقام و مرتبت پر روشنی ڈالی ہے۔ ضمنی مباحث میں ایک جگہ صحابہ کرام کے عدولیت پر بھی مفید اور ایمان پرور بحث آگئی ہے۔ انداز بیان سنجیدہ اور تحقیقی ہے۔ پیش نظر جلد صحابہ کرام کے جمع و تدوین اور حفظ و صیانت حدیث کے مساعی پر ختم ہوئی ہے۔ مصنف نے اگلی جلد میں احادیث کے تعلیم و تدریس اور تالیف سے متعلق تابعین تبع تابعین اور محدثین کرام کے مساعی جمیلہ کو زیر بحث لانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کی تکمیل کی توفیق دے۔ کتاب کا مطالعہ نہ صرف منکرین حدیث کی تردید کیلئے بلکہ حدیث اور علوم حدیث سے شغف رکھنے والے علماء و فضلاء اور طلبہ علوم دینیہ کیلئے بھی مفید اور زیادت معلومات کا باعث ہے۔ پاکستانی حضرات مؤلف سے معلومات حاصل کرکے کتاب منگوا سکتے ہیں۔

انوار بردہ شرح قصیدہ بردہ

از پروفیسر فضل احمد عارف ایم۔اے۔ صفحات ۲۲۸۔ قیمت تین روپے
مجلد گرد پوش۔ پتہ :۔ علمی کتب خانہ۔ اردو بازار لاہور۔

پیش نظر کتاب شیخ ابو علی شرف الدین محمد بن سعید البوصیریؒ رحمۃ اللہ علیہ کے شہرہ آفاق عاشقانہ اور والہانہ عربی

نعتیہ کلام قصیدہ بردہ کا اردو شرح وترجمہ ہے۔ فاضل مؤلف نے پورے قصیدہ کے شعروار ترجمہ کے ساتھ اسکی لغوی تشریح بھی کی ہے۔ مگر کتاب کو اس شرح وترجمہ سے زیادہ مصنف قصیدہ بردہ شیخؒ کے حالات اور علمی کمالات، قصیدہ کے تعارف، اور قصیدہ بردہ کے شارحین جن میں تفتازانی، زرکشی، ملا علی قاری، قسطلانی، بیضاوی جیسے اجلہ شامل ہیں، کے تذکرہ اور تعارف نے بے حد وقیع بنادیا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ اردو خوان حضرات کے علاوہ عربی علوم کے طلبہ کیلئے بھی معلومات آفریں ہے۔

مولانا محمد احسن نانوتویؒ

از جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم۔اے۔ صفحات ۲۸۲ قیمت ۲۴/- روپے
پتہ:- روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی۔ بی ون ایریا ۱۴/۹ لیاقت آباد کراچی نمبر ۱۹۔

مولانا محمد احسن نانوتویؒ انیسویں صدی عیسوی کے مشاہیر علماء میں سے ہیں۔ نہایت مفید تالیفات اور تراجم کے مؤلف اور مترجم ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ کو سب سے پہلے انہوں نے شائع کیا۔ احیاء العلوم اور درمختار جیسی کتابوں کا ترجمہ بھی انہوں نے کیا۔۔۔ لائق اور فاضل مصنف نے نہایت محنت جانکاہی اور تحقیق وتفصیل سے مولانا مرحوم کے منتشر حالات کو یکجا کرکے اس تذکرہ کے ذریعہ انہیں زندہ جاوید بنادیا۔ بلاشبہ قادری صاحب نے مولانا محمد احسن نانوتویؒ کی سوانح وحالات پر مایۂ ناز سکالروں جیسی ریسرچ وتحقیق کی ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ سوانح نویسی کا حق ادا کردیا ہے۔ مؤلف کو جہاں کوئی تاریخی واقعہ یا پیش رو مصنفین کے نتائج سے اختلاف ہوا، بے لاگ اس پر بھی اپنی رائے ظاہر کردی۔ کتاب کے ضمیمہ میں مولانا مملوک العلی نانوتویؒ اور ان کے یکتائے زمانہ فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (صدر اول دار العلوم دیوبند) اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اجمالی مگر محققانہ تذکرے بھی آگئے ہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصانیف کا تذکرہ تو گویا اہل علم کے لئے ایک نادر مخطوطہ اور انکشاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ قادری صاحب کی یہ محنت اور کاوش ایک بہترین علمی خدمت ہے جو ہر لحاظ سے لائق ستائش ہے۔

۱۔ نفیر جہاد
۲۔ سورۃ فاتحہ کے متعلق تفسیری وعلمی فوائد

۱۔ از تعلیمات مولانا جلیل احمد شیروانی خلیفہ حضرت تھانویؒ صفحات ۵۶
۲۔ از مولانا محمد نجم الحسن تھانوی۔ صفحات ۴۸ - قیمت ۳۰ پیسے

پہلے کتابچہ میں اسلام میں جہاد کے مقام اسکی حقیقت، غرض وغایت اور شرائط پر بحث کی گئی ہے۔ مضمون کا خصوصی نقطہ یہ ہے کہ مسلمان قوم کی ذلت اور کمزوری کی وجہ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں نے من حیث القوم عملاً جہاد کو ترک کررکھا ہے۔

دوسرا رسالہ مولانا نجم الحسن صاحب کے سورۃ فاتحہ پر درس قرآن کے دوران بیان کردہ افادات کا مجموعہ ہے۔ مولانا نجم الحسن صاحب اوران کا ادارہ صیانۃ المسلمین مسجد اشرفی لاہور۔ تبلیغی رسائل وکتابچوں کی اشاعت کے ذریعہ مفید دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ مذکورہ ہر دو رسائل کا مطالعہ مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مساعی کو بارآور بنادے۔
پہلا رسالہ مفت اور دوسرا ۳۰ پیسے کا ٹکٹ بھیج کر جناب وکیل احمد شیروانی۔ جامعہ اشرفیہ۔ نیلا گنبد لاہور سے طلب کیا جاسکتا ہے۔